نماز تراویح
از قلم
مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی ؒ
منجانب
النعمان سوشل میڈیا سروسز

فصل اوّل

تراویح کے متعلق رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی:

(۱) عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال من قام رمضانَ ایماناً واحتساباً غفر لہ ما تقدم من ذنبہ (رواہ الجماعۃ. آثار السنن ص ۲۴۴) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رمضان میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے تراویح پڑھی تو اس کے گذشتہ گناہ معاف کردیے جائیں گے۔

(۲) عن عائشۃ زوج النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یرغب الناس فی قیام رمضان من غیر ان یأمرھم بعزیمۃِ امرٍ فیہ فیقول من قام رمضان ایماناً واحتساباً غفر لہ ما تقدم من ذنبہ رواہ النسائی (زجاجۃ المصابیح ص ۳۶۲، ج ۱) ام المومنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو تراویح پڑھنے کی ترغیب دیتے تھے اور ان کو عزیمت کے ساتھ حکم نہ فرماتے۔ (بلکہ) فرماتے کہ جو ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے نماز تراویح پڑھے گا اس کے پچھلے گناہ معاف کردیے جائیں گے۔

(۳) عن عبدالرحمٰن بن عوفؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان اللّٰہ تبارک وتعالیٰ فرض صیام رمضان علیکم وسننت لکم قیامہ فمن صامہ وقامہ ایمانا واحتسابا خرج من ذنوبہ کیوم ولدتہ امہ اخرجہ النسائی بسند حسن وسکت عنہ (اعلاء السنن ص ۳۸، ج۷) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر رمضان کے روزے فرض کئے ہیں اور میں نے اس کی تراویح کو تمھارے لئے سنت بنایا ہے پس جو شخص اس کے روزے رکھے اور اس کی تراویح پڑھے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے تو وہ گناہوں سے ایسے پاک صاف ہو جائے گا کہ جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔

(۴) عن سلمان الفارسیؓ قال خطبنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی آخر یوم مِن شعبان فقال یاایھاالناس قد اظلکم شھر عظیم شھر مبارک" شھر فیہ لیلۃ القدرِ خیر من الف شھر شھر جعل اللّٰہ صیامہ فریضۃ وقیام لیلہ تطوعاً من تقرب فیہ بخصلۃٍ من الخیر کانَ کمن ادّی فریضۃً فیما سواہ ومن ادّی فریضۃ فیہ کانَ کمن ادّی سبعین فریضۃ فیما سواہ الحدیث رواہ البیھقی فی شعب الایمان (زجاجۃ المصابیح ص ۱۵۴ ج ۱ ورواہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ (کذافی فضائل رمضان) حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کی آخری دن ہمیں وعظ فرمایا کہ تمہارے اوپر ایک بہت بڑا اور مبارک مہینہ آرہا ہے، اس میں شب قدر ہے جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے۔ اللہ نے اس کے روزوں کو فرض کیا ہے اور اس کے رات کے قیام (تراویح) کو ثواب کی چیز بنایا ہے۔ جو شخص اس مہینے میں کسی نیکی کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرے ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں اس نے فرض ادا کیا اور جو شخص اس مہینے میں فرض ادا کرے وہ ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں ستر فرض ادا کئے۔

الحاصل:۔ یہ چار ارشادات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں جن میں آپ نے رمضان المبارک کی راتوں کو عبادت کرنے کی ترغیب دی ہے اور فرمایا کہ جو مومن حصول ثواب کی نیت سے قیام کرے (یعنی تراویح پڑھے) تو اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور وہ ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ آج ہی بطن مادر سے پیدا ہوا اور یہ تو ایسا برکت والا مہینہ ہے کہ اس میں ایک نفل پڑھنے کا ثواب باقی مہینوں میں فرض پڑھنے کے برابر ہوتا ہے۔ آپ کا مقصد یہ ہے کہ اس ماہ میں زیادہ سے زیادہ عبادت کی جائے۔

فصل دوم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک عمل:

(۱) عن عائشة رضی الله عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دخل رمضان لم يأت فراشه حتّٰی ينسلخ رواه البيهقی (زجاجة المصابيح ص ۳۶۲، ج ۱) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ آتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے ختم ہونے تک اپنے بستر پر تشریف نہ لاتے۔

(۲) عن عائشةؓ قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجتهد فی رمضان مالا يجتهد فی غيره رواه مسلم (كذافی فتاوٰی مولانا عبدالحی ص ۱۲۲ ج ۱) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینے میں عبادت میں وہ محنت کرتے جو غیر رمضان میں نہ کرتے۔

(۳) عن عائشة رضی الله عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دخل رمضان تغير لونه و كثرت صلوته وابتهل فی الدعاءِ واشفق لونه رواه البيهقی فی شعب الايمان كذافی العزيزی ص ۱۲۷ ج ۳ (اعلاء السنن ص ۴۶، ج ۷) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ داخل ہوتا تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ تبدیل ہو جاتا اور نماز زیادہ ہو جاتی۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ پورا رمضان شب بیداری فرماتے تھے۔

عشرہ اخیرہ:- (۴) عن عائشة رضی الله عنها قالت کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا دخل العشر شدّ منزره واحیا لیله وایقظ اهله. متفق علیه (زجاجة المصابیح ص ۵۸۴، ج ۱) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب اخیر عشرہ (رمضان کا) آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا تہبند کس لیتے اور شب بیداری فرماتے اور اپنے گھر والوں کو بھی بیدار رکھتے۔

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشرہ اخیرہ میں آپ اپنے گھر والوں کو بھی اپنے ساتھ بیدار رکھتے تھے۔

(۵) عن جبیر بن نفیر عن ابی ذر رضی الله عنه قال صُمنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فلم یقم بنا شیئاً من الشهر حتی بقی سبع فقام بنا حتیٰ ذهب ثلث اللیل فلما کانتِ السادسة لم یقم بنا فلما کانتِ الخامسة قام بنا حتیٰ ذهب شطر اللیلِ فقلتُ یا رسول الله لو نفّلتنا قیام هذهِ اللیلة قال فقال ان الرجل اذا صلیٰ مع الامام حتیٰ ینصرف حسب له قیام لیلةٍ قال فلمّا کانت الرابعةُ لم یقم بنا فلما کانت الثالثة جمع اهله ونساءَ ه والناس فقام بنا حتیٰ خشینا ان یفوتنا الفلاح قال قلت ما الفلاح قال السحور ثم لم یقُم بنا بقیة الشهر رواه الخمسة واسناده صحیح (آثار السنن ص ۲۴۶) حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزے رکھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تراویح نہ پڑھائی یہاں تک سات راتیں باقی رہ گئیں تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تراویح پڑھائی یہاں تک کہ رات کا تہائی حصہ گذر گیا پھر جب (آخر سے) چھٹی رات تھی تو آپ نے ہمیں تراویح پڑھائی

یہاں تک کہ آدھی رات گذر گئی پس میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ ہمیں اس رات باقی حصہ میں بھی نفل پڑھاتے رہیں---اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک جب آدمی امام کے ہمراہ نماز ادا کرتا ہے یہاں تک کہ جب وہ نماز سے فارغ ہوتا ہے تو اس کے لئے پوری رات کے قیام کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ پھر جب (آخر سے) چوتھی رات تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تراویح نہ پڑھائی پھر جب تیسری رات تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل وعیال اور لوگوں کو جمع فرمایا اور ہمیں نماز تراویح پڑھائی یہاں تک کہ ہم ڈر گئے کہ کہیں سحری فوت نہ ہو جائے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیہ راتیں بھی ہمیں نماز تراویح نہ پڑھائی۔

اس حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں اور دوسرے لوگوں کو جمع کر کے تین روز تراویح کی نماز پڑھائی اور قیامِ رمضان کے تین درجے عمل سے ظاہر فرمائے۔

(۱) تہائی رات تک (۲) نصف رات تک (۳) تمام رات سحری تک تراویح پڑھنا

خلاصہ:- ان احادیث سے تین طرح کے عمل ثابت ہوئے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا مبارک عمل:-

آپ رمضان المبارک کا پورا مہینہ تمام رات نماز میں گزارتے تھے۔

(۲) اہل بیت:- رمضان کے آخری دس دنوں میں آپ کے گھر والے بھی تمام رات نہ سوتے تھے۔

(۳) عام لوگوں کے لئے رات کی عبادت کے تین درجے ہیں افضل ترین یہ ہے کہ تمام رات عبادت میں گزار دیں اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل اتباع ہے۔

چنانچہ حضرت پیرانِ پیر سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:- اما قیام جمیع اللیل فهو فعل الاقویاء الذین سبقت لهم منه العنایةواحاط علیٰ قلوبهم التوفیق ونور الجلال ثم الجمال فجعل القیام باللیل موهبة لهم وخلقة لم یسلبه منهم

مولاھم عزوجلّ حتی اللقاء وقد روی عن عثمانؓ انہ کان یحیی اللیل برکعۃ واحدۃ یختم فیھا القرآن وذکر من اربعین رجلاً من االتابعین انھم کانوا یحیون اللیل کلّہ، ویصلّون صلوۃ الغداۃ بو ضوء العشاء اربعین سنۃ صحّ النقل عنھم واشتھر (غنیۃ الطالبین بحوالہ تنویر الحماسہ ص ۳۵)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں " اعلم ان احیاء اللیل کلہ شان الاقویا الذین تجردوللعبادۃ للّٰہ تعالیٰ وتلذذوابمناجاتہ وصار غذاء ھم وحیات لقلوبھم فلم یتعبوابطول القیام ورددواالمنام الی النھار فی وقت اشتغال الناس وحکی ذلک علی سبیل التواتر عن اربعین رجلاً من التابعین وکان فیھم من واظب اربعین سنۃ (احیاء العلوم بحوالہ تنویر الحماسہ ص ۳۶) چنانچہ صحابہ کرام اوراُن کے بعد کے صاحب ہمت لوگ تمام رات قیام کرتے رہے ہیں، خوداللہ تعالےٰ نے اپنے خاص بندوں کی تعریف اِن الفاظ میں فرمائی ہے۔ والذین یبیتون لربھم سجداً وقیاماً (جولوگ رب کے لئے سجدہ کرتے ہوئے اورقیام کرتے ہوئے رات گذاردیتے ہیں)اورفرماتے ہیں کانوا قلیلاً من اللیل ما یھجعون (وہ رات کوتھوڑا ساحصہ سوتے تھے) چندمثالیں عرض ہیں۔

(۱) عمر بن الخطابؓ:- کان عمر بن الخطابؓ یصلی بالناس العشاء ثم یدخل بیتہ فلا یزال یصلی الٰی الفجر (تاریخ ابن کثیر) یعنی حضرت عمرؓ لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھا کراپنے گھر میں تشریف لاتے اورفجر تک نماز پڑھتے رہتے۔

(۲) عثمان بن عفانؓ:- کان یحیی اللیل کلہ (حلیہ ابی نعیم) یعنی حضرت عثمانؓ تمام رات عبادت کرتے۔

(۳) ابن عمرؓ:- کان یحیی اللیل (ابو نعیم) یعنی تمام رات عبادت کرتے۔

(۴) تمیم الداریؓ:- کان تمیم الداریؓ یختم القرآن فی رکعۃ

وربما ردد الآیة الواحدة اللیل کله حتی الصباح (کتاب الانساب للسمعانی) یعنی تمیم داریؓ ایک رکعت میں (مکمل) قرآن ختم کرڈالتے اور بعض اوقات ایک ہی آیت کو صبح تک ساری رات (نماز میں) دہراتے رہتے۔

(۵) شداد بن اوسؓ:- انه کان اذا دخل الفراش ینقلب علی الفراش لا یأخذه النوم فیقول اللهم ان النار اذهب عنی النوم فیقوم فیصلی حتیٰ یصبح شداد بن اوسؓ جب بستر پر تشریف لاتے تو کروٹیں بدلتے رہتے اور ان کو نیند نہ آتی پھر فرماتے کہ لوگ میری نیند لے گئے پس کھڑے ہو کر صبح تک نماز پڑھتے۔

تابعین و من بعدھم:-(۶) عمیر اخرج الترمذی فی ابواب الدعاء عن مسلمة بن عمرؒ کان عمیر یصلی کل یوم الف رکعة ویسبح مأة الف تسبیحة (عمیرؒ روزانہ ہزار رکعت نماز پڑھتے اور ایک لاکھ مرتبہ تسبیح پڑھتے۔)

(۷) اویس قرنیؒ:- کان اویس القرنی اذا امسیٰ یقول هذه لیلة الرکوع فیرکع حتیٰ یصبح وکان اذاامسیٰ یقول هذه لیلة السجود فیسجد حتیٰ یصبح (ابو نعیم) اویس قرنیؒ ایک شام کو کہتے کہ یہ رکوع کی رات ہے اور ساری رات رکوع میں گذار دیتے اور ایک شام کہتے کہ یہ سجدہ کی رات ہے اور ساری رات سجدہ میں گذار دیتے۔

(۸) علامہ شعبیؒ:- کان من العابدین وفرض علیٰ نفسه فی کل یوم الف رکعة (ابو نعیم) علامہ شعبیؒ عبادت گذار لوگوں میں سے تھے اور روزانہ ہزار رکعت نماز اپنے ذمے لگائی ہوئی تھی۔

(۹) مسروق:- اتنی عبادت کرتے کہ آپ کی پنڈلیاں ہر وقت متورم رہتی تھیں (تاریخ ابن کثیر)

(۱۰) الاسود بن یزید نخعی:- عن ابراهیم النخعی قال کان الاسود یختم

القرآن فی رمضان فی کل لیلتین و کان یختم فی غیر رمضان فی کل ستّ لیال (ابو نعیم) ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ اسودؒ رمضان کے مہینے میں ہر دو راتوں میں ایک قرآن ختم کرتے اور غیر رمضان میں ہر چھ راتوں میں مکمل قرآن ختم فرماتے۔

(۱۱) سعید بن المسیب:- احد فقہاءِ السبعة من اھل المدینة واحد الحفاظ من التابعین عن عبدالمنعم بن ادریس عن ابیه قال صلی سعید المسیب الغداة بوضوءِ العشاءِ خمسین سنة یعنی سعید بن المسیبؒ پچاس سال تک عشاء کے وضوء سے صبح کی نماز پڑھتے رہے۔

(۱۲) عروہ بن الزبیر بن العوامؒ:- احد الفقہاءِ السبعة قال الذھبی کان یقرأ کل یوم ربع الختم من المصحف ویقوم اللیل فما ترک الالیلة قطعت رجله (العبر فی اخبار من عنبر) یعنی ذھبیؒ روزانہ چوتھا حصہ قرآن پڑھتے اور رات کو نماز پڑھتے رہتے۔ ایک دن یہ عبادت نہ کر سکے تو پاؤں کاٹ دیے گئے۔

(۱۳) امام المحدثین والمفسرین قتادہ بن دعامہ:-

ان قتادہ کان یختم القرآن فی کل سبع لیالٍ مرة فاذا جاءَ رمضان ختم فی کل ثلاث لیالٍ مرة فاذا جاءَ العشر ختم فی کل لیلة مرة (ابو نعیم) قتادہؒ سات راتوں میں ایک قرآن ختم فرماتے اور رمضان المبارک میں ہر تین راتوں میں اور رمضان کے اخیر عشرہ میں ہر رات قرآن ختم فرماتے۔

(۱۴) سعید بن جبیرؒ:- نقل الیافعیؒ انه قرأ القرآن فی رکعةٍ فی بیت الحرام (یعنی ایک ہی رکعت میں پورا قرآن پڑھا) وقال وفأ بن ایاس قال لی سعید بن جبیر فی رمضان امسک علی المصحف فما قام من مجلسه حتیٰ ختم القرآن۔ یعنی ایک ہی مجلس میں پورا قرآن ختم کر دیے۔

(۱۵) سلیمان التیمی:- عن عبداللّٰه بن المبارک قال قام سلیمان

التیمی اربعین سنة امام الجامع بالبصرة یصلی العشاء والصبح بوضوء

واحد یعنی سلیمان تیمی چالیس سال تک عشاء اور فجر کی نماز ایک ہی وضوء سے پڑھتے تے۔

(۱۶) منصور بن نواذان:- کان اذا جاء رمضان ختم القرآن فی ما بین المغرب والعشاء ختمتین وکانوا یؤخرون العشاء فی رمضان الی ان یذهب ربع اللیل (ابو نعیم) منصور رمضان المبارک میں مغرب اور عشاء کے درمیان دو قرآن ختم کرتے اور اس وقت لوگ عشاء کی نماز چوتھائی رات تک مؤخر فرماتے۔

فائدہ:- حکیم عبدالسلام کے عقیقہ میں حضرت مولانا سید احمد شہیدؒ اور مولانا سید اسماعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحی صاحبؒ تینوں موجود تھے۔ مولوی عبدالحی صاحب نے وعظ فرمایا اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے اوقات میں بھی برکت عطا فرمادیتے ہیں اور جو کام کئی روز میں نہیں ہوسکتا وہ اُس کو چند گھنٹوں میں کر لیتے ہیں چنانچہ بعض لوگ عصر سے مغرب تک قرآن شریف ختم کر لیتے ہیں اور یہ مضمون اس انداز سے بیان فرمایا کہ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ خود مولانا کو بھی یہ کرامت حاصل ہے اور مولوی اسماعیل صاحب کے متعلق توصراحت کے ساتھ فرمایا کہ یہ عصر سے مغرب تک قرآن شریف ختم کر لیتے ہیں اس بناء پر لوگ مولوی اسماعیل صاحب کو لپٹ گئے اور کہا کہ حضرت ہم کو بھی اس کرامت کا مشاہدہ کرا دیجئے چنانچہ گومتی (لکھنوء کے قریب ایک ندی کا نام ہے) کے پل پر لوگ اکٹھے ہوئے اور مولانا نے ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں عصر سے مغرب تک قرآن شریف ختم کر دیا

(حکایات اولیاء ص ۸۷)

میں کہتا ہوں کہ اہل اللہ کے اوقات میں برکت کا ہونا احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔ الغرض بے شمار اولیاء کرام فقہاء، محدثین تمام رات عبادت کرتے تھے اور کسی نے اس پر انکار نہ فرمایا، ہاں کسی نی زیادہ نفل عبادت فرائض و واجبات میں مخل ہو تو اس مخل ہونے کی بناء پر اُس پر انکار درست ہے نہ کہ مطلق عبادت نفل سے انکار۔ اس کی مثال یوں

:

سمجھئے کہ احادیث میں ہے بعض لوگوں نے اپنا اکثر مال راہِ خُدا میں دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا اور فرمایا کہ تمہارا سب کچھ خرچ کر کے اپنے وارثوں کو مفلس کر دینا اچھا نہیں بلکہ بہتر ہے کہ اپنے وارثوں کے لئے چھوڑ دو مگر جب حضرت ابوبکر صدیق سارا مال لے کر آئے اور حضرت عمر نصف مال لے کر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا کیونکہ یہ دونوں حضرات ہمت وتوکل کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے اسی طرح جو شخص حقوق کی رعایت کرتے ہوئے شب بیداری کرے تو وہ اولوالعزم لوگوں میں شمار ہوگا، اس قسم کی مثالیں بے شمار ہیں، قیام اللیل ابونعیم کی حلیۃ الاولیاء اور کتب طبقات میں اس قسم کے متواتر واقعات موجود ہیں، میں صرف دو تین مثالیں اور ذکر کرتا ہوں۔

(۱۷) الامام الھمام سید الفقہاء والمحدثین الامام الاعظم ابوحنیفہ النعمان بن ثابتؒ:۔
امام صاحبؒ کے متعلق تو یہ امر نہایت شہرت پذیر ہے کہ آپ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی اور آپ تمام رات عبادت میں گزارتے تھے، ملاحظہ ہو مقدمہ ہدایہ، احیاء العلوم، اسماء الرجال مشکوٰۃ وغیرہ۔

(۱۸) امام شافعیؒ:۔ اخرج ابو نعیم عن الربیع بن سلیمان صاحب الشافعیؒ یقول کان الشافعیؒ یختم فی کل شھر رمضان ستین ختمۃ ما منھا شئ الا فی الصلوٰۃ. یعنی امام شافعیؒ رمضان المبارک میں ساٹھ قرآن مجید نماز میں ختم فرماتے۔

(۱۹) امام احمد بن حنبلؒ:۔ اخرج ابو نعیم فی الحلیۃ عن عبداللّٰہ بن احمد قال کان لابی فی کل یوم ولیلۃ ثلاث ماۃ رکعۃ فلما مرض من الاسواط ضعفتہ فکان یصلی کل یومٍ ولیلۃٍ ماۃ وخمسین رکعۃً وکان قرب من لثمانین. یعنی امام احمدؒ روزانہ تین سو رکعات نماز پڑھتے پھر جب بیمار ہو گئے تو ضعف کی وجہ سے ڈیڑھ صد رکعات نماز پڑھتے۔

(۲۰) امام المحدثین محمد بن اسماعیل بخاری صاحب الصحیح رحمۃ اللہ علیہ:۔

قال الحاکم ابو عبداللّٰہ الحافظ اخبرنی محمد بن خالد حدثنا متصم بن سعید قال کان محمد بن اسماعیل البخاری اذا کان اول لیلۃ من شھر رمضان یجتمع الیہ اصحابہ فیصلی بھم ویقرأ فی کل رکعۃ عشرین آیۃ وکذلک الیٰ ان یختم القرآن وکان یقرأ فی السحر ما بین النصف الی الثلث من القرآن فیختم عندالسحر فی کلّ ثلاث لیالٍ وکان یختم بالنھار فی کل یوم ختمۃ ویکون ختمہ عند الافطار کل لیلۃ ویقول عند کل ختمۃ دعوۃ مستجابۃ (مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۲) یعنی امام بخاریؒ تراویح کے علاوہ تہجد بھی پڑھتے اور تہجد میں ہر تیسرے دن قرآن ختم کرتے تھے۔

الحاصل:۔ قیام اللیل وقیام رمضان کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ تمام رات عبادت میں گزار دے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا مبارک عمل یہی تھا اور اُس زمانے سے آج تک باہمت لوگوں کا عمل اسی پر رہا ہے، کسی نے اس کو بدعت نہیں کہا اور اوسط درجہ یہ ہے کہ نصف شب تک قیام کرے اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ ثلث لیل تک قیام کرے۔

فائدہ اوّل:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیبات اور عمل سے ثابت ہو گیا کہ آپ رمضان المبارک میں رات کو باقی گیارہ مہینوں سے زیادہ عبادت کرتے تھے

فائدہ دوم:۔ جن اکابر کی عبادت کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں اُن سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ تمام رات کا قیام تراویح با جماعت کے بعد کیا کرتے تھے دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ تراویح کے بعد یہ تمام اکابر تہجد ادا فرماتے تھے اور کسی نے ان پر انکار نہیں فرمایا تو رمضان میں ان اکابر کا تہجد پڑھنا بھی حد تواتر کو پہنچ چکا ہے سو اس کا انکار تواتر کا انکار ہے۔

فائدہ سوم:۔ عبادات محولہ بالا سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ اکابر تراویح و تہجد میں ختم قرآن کا خاص اہتمام کرتے تھے۔

فائدہ چہارم:۔ اس فصل کی پہلی احادیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم تمام رمضان میں عموماً اور عشرۂ اخیرہ میں خصوصاً رات کو نہ سوتے تھے اور حدیث ابی ذرؓ سے معلوم ہوا کہ تیئیسویں رات آپ ثلث رات میں تراویح پڑھا کر گھر تشریف لے گئے اور پچیسویں رات نصف رات کے بعد گھر جا کر آپ سوئے تو نہیں لامحالہ قیام فرمایا ہوگا تو استنباطاً آپ سے بھی تہجد کا ثبوت ہوا جیسا کہ حضرت شیخ العصر بحرالعلوم مولانا گنگوہیؒ نے ذکر فرمایا ہے۔

فصل سوم

جماعتِ تراویح

(۱)　عن عروة ان عائشة رضی اللّٰه عنها اخبرته ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم خرج لیلة من جوف اللیل فصلیٰ فی المسجد وصلی رجال" بصلوته فاصبح الناس فتحدثوا فاجتمع اکثر منهم فصلیٰ فصلوا معه فاصبح الناس فتحدثوا فکثر اهل المسجد من اللیلة الثالثةِ فخرج رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فصلیٰ فصلوا بصلوته فلما کانت اللیلة الرابعة عجز المسجد عن اهله حتیٰ خرج لصلوة الصبح فلما قضی الفجر اقبل علی الناسِ فتشهد ثم قال اما بعد فانه لم یخف علی مکانکم ولکنی خشیتُ ان تفرض علیکم فتعجز وا عنها فتوفی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم والامر علیٰ ذلک رواه الشیخان (آثار السنن ص ۲۴۶) عروۃ سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ آدھی رات کے وقت گھر سے نکلے اور مسجد میں تشریف لا کر نماز ادا فرمائی اور کچھ لوگوں نے بھی آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ لوگوں نے صبح کی تو واقعہ بیان کیا۔ تو پہلے کی نسبت زیادہ لوگ جمع ہو گئے اور آپ کے ہمراہ نماز ادا کی، پھر لوگوں نے صبح کی اور واقعہ بیان کیا، تو تیسری رات مسجد والے اور زیادہ ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

تشریف لائے، نماز پڑھی، تو لوگوں نے آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی، پھر جب چوتھی رات ہوئی تو مسجد لوگوں (کیوجہ سے) تنگ ہوگئی (یعنی بہت کثرت سے لوگ آئے مسجد میں جگہ نہ رہی یہاں تک آپ صبح کی نماز کے لئے باھر تشریف لائے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پوری فرمائی، تو لوگوں کی طرف سے متوجہ ہوئے تشہد پڑھا پھر فرمایا، حمد وصلوٰۃ کے بعد بات یہ ہے کہ تمہارا یہاں ہونا مجھ پر مخفی نہیں، لیکن میں نے محسوس کیا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ کردی جائے، پھر تم اس سے عاجز ہو جاؤ (یعنی پڑھ نہ سکو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور معاملہ اسی طرح رہا۔

(۲)　عن زید بن ثابتؓ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اتخذ حجرۃ فی المسجد من حصیر فصلیٰ فیھا لیالٍ حتی اجتمع علیہ ناس ثم فقدوا صوتہ لیلۃً وظنوا انہ قد نام فجعل بعضھم یتنحنح لیخرج الیھم فقال مازال بکم الذی رأیتُ من صنیعکم حتیٰ خشیت ان یکتب علیکم ولو کتب علیکم ما قمتم بہ فصلوا ایھاالناس فی بیوتکم فان افضل صلوۃ المرءِ فی بیتہ الاالصلوٰۃ المکتوبۃ رواہ الشیخان (آثار السنن ص ۲۴۶) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں چٹائی کا ایک حجرہ بنایا، اس میں چند راتیں نماز ادا فرمائی، یہاں تک کہ لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے، پھر ایک رات لوگوں نے آپ کی آواز نہ سنی اور انہوں نے سمجھا کہ آپ سو گئے ہیں، بعض لوگوں نے کھانسنا شروع کیا، تا کہ آپ ان کے پاس تشریف لے آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمھارا معاملہ (یعنی کثرت سے آنا) جو میں نے دیکھا، اسی طرح رہا، یہاں تک کہ میں ڈر گیا کہ (یہ نماز) تم پر فرض نہ کردی جائے، اور اگر تم پر فرض کردی جاتی تو تم اسے ادا نہ کر سکتے۔ اے لوگو، اپنے گھروں میں (یہ نماز) پڑھو، بلاشبہ فرض نماز کے علاوہ آدمی کی اپنے گھر میں نماز بہتر ہے" یہ حدیث شیخین نے نقل کی ہے۔

(۳)　حدیث ابوذر رضی اللہ عنہ فصل دوم نمبر ۵ پر گذری۔

فائدہ اول:۔ ان احادیث سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا باجماعت تراویح پڑھانا ثابت ہوا اور آپ نے فرض ہونے کے خوف سے جماعت ترک فرما دی تاہم مواظبت حکمی ان سے ثابت ہوتی ہے۔

فائدہ دوم:۔ سب اہل علم اِس امر سے واقف ہیں کہ اولاً صلوۃ خمسہ سے قبل مکہ شریف میں تہجد کی نماز فرض تھی جیسا کہ سورۃ مزمل کی ابتدائی آیات سے ظاہر ہے پھر ایک سال بعد مکہ مکرمہ میں ہی سورۃ مزمل کا آخری حصہ نازل ہوا جس سے تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔

رمضان المبارک کے روزے آپ کے مدینہ شریف تشریف لانے کے بعد ۲ھ میں فرض ہوئے اُس وقت آپ نے حضرات صحابہ کرامؓ کو قیام رمضان اور تراویح کی ترغیب دی جب کہ تہجد کی فرضیت کو منسوخ ہوئے کئی سال گزر چکے تھے اور جس حکم کی فرضیت ایک دفعہ منسوخ ہو چکی ہو اُس کے دوبارہ فرض ہونے کا احتمال ہی نہیں ہو سکتا پس آپ کا فرضیت کے خوف سے تراویح کی جماعت کو ترک کر دینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ تراویح کی نماز تہجد کے علاوہ تھی کیونکہ تہجد کی فرضیت کا تو اب احتمال ہی نہ ہو سکتا تھا اور تراویح کی فرضیت کا خوف تھا فافترقا۔

(۴) عن ثعلبة بن ابی مالک القرظیؓ قال خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ذات لیلة فی رمضان فرأی ناساً فی ناحیة المسجد یصلّون فقال ما یصنع ھؤلاءِ قال قائل یا رسول اللّٰہ ھؤلاءِ ناس لیس معھم القرآن وابی بن کعب یقرأ وھم معہ یصلّون بصلوته قال قد احسنوا واصابوا ولم یکرہ ذلک لھم رواہ البیھقی فی المعرفة واسنادہ جید (آثار السنن ص۲۴۷)

حضرت ثعلبہ بن ابی مالک القرظی رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں ایک رات تشریف لائے لوگوں کو مسجد کے ایک کونے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا آپ نے فرمایا ''یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ ایک کہنے والے نے کہا، اے اللہ تعالیٰ کے

پیغمبر! ان لوگوں کو قرآن پاک یاد نہیں اور ابی بن کعب پڑھتے ہیں اور یہ ان کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں آپ نے فرمایا "تحقیق انہوں نے اچھا کام کیا اور تحقیق انہوں نے صحیح کام کیا اور یہ بات آپ نے ان کے لئے ناپسند نہیں فرمائی" یہ حدیث بیہقی معرفت میں نقل کی ہے۔

(۵) عن ابی هريرةؓ قال خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فاذا اناس في رمضان يصلّون في ناحية المسجد فقال ما هؤلاء فقيل هؤلاء ناس ليس معهم قرآن وابی بن کعب يصلّي بهم وهم يصلّون بصلوته فقال النبي صلى الله عليه وسلم اصابوا ونعم ما صنعوا رواه ابوداؤد. دجاجة المصابيح ص ۳۶۳، ج ۱) وفيه مسلم بن خالد ضعفه بعضهم ووثقه ابن معين في روايته عنه وابن حبان واخرج له غير حديث في صحيحه وقال ابن عدى ارجو لابأس به وهو حسن الحديث (ملتقطاً من زجاجة ص ۳۶۳، ج ۱) یعنی حضورؐ ایک رات رمضان میں (مسجد نبوی کی طرف) نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ مسجد کے ایک کونے میں نماز پڑھ رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کون ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو قرآن یاد نہیں اس لئے وہ ابی بن کعب کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہوں نے بہت اچھا کام کیا۔

فائدہ:۔ (۱) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں مسجد نبوی میں حضرت ابی بن کعبؓ با جماعت تراویح پڑھاتے تھے آپ نے دیکھ کر اس کی تحسین فرمائی۔

(۲) ان دونوں حدیثوں میں یہ جملہ **هؤلاء ناس ليس معهم قرآن** سے ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ صحابہؓ اتنا قرآن بھی نہ جانتے تھے جس سے نماز ادا ہو سکے کیونکہ صحابہ کرام کے متعلق یہ تو احتمال ہی نہیں ہوسکتا، اس کا مطلب لامحالہ یہی ہے کہ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پورا قرآن حفظ یاد نہ تھا وہ پورا قرآن تراویح میں سننے کے لئے

حضرت ابی بن کعبؓ کے پیچھے تراویح پڑھتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ تراویح میں پورا قرآن ختم کرنے کو سنت سمجھتے تھے جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویب فرمادی۔

(۲) عن عبدالرحمن بن عبدالقاری انه قال خرجتُ مع عمر بن الخطاب ليلةً فی رمضان الی المسجدِ فاذاالناس اوزا ع" متفرقون يصلی الرجل لنفسه ويصلّی الرجلُ فيصلی بصلوته الرهط فقال عمرؓ انی اریٰ لوجمعتُ هؤلاء علیٰ قاریٔ واحدٍ لكان امثل ثم عزم فجمعهم علیٰ ابی بن كعبٍ ثم خرجت معه ليلةً اُخریٰ والناس يصلون بصلوٰة قارئهم قال عمرؓ نعمت البدعة هذه والتی تنامون عنها افضل من التی تقومون يريد آخر الليل وكان الناس يقومون اوّله رواه البخاری (ج ا ص ۹۰۰)(زجاجة المصابيح ص ۳٦۴، ج ا) عبدالرحمن بن عبدالقاری سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا، میں عمر بن خطابؓ کے ساتھ رمضان کی ایک رات کو مسجد میں گیا۔ سب لوگ متفرق اور منتشر تھے، کوئی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور کسی کے پیچھے بہت سے لوگ اس کی نماز کی اقتدا کے لئے کھڑے تھے۔ اس پر عمرؓ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ اگر تمام مصلیوں کی ایک امام کے پیچھے جماعت کردی جائے تو زیادہ اچھا ہو۔ چنانچہ آپ نے جماعت بنا کر ابی بن کعبؓ کو اس کا امام بنا دیا پھر دوسری رات میں آپ کے ساتھ ہی نکلا تو لوگ اپنے امام کے پیچھے نماز (تراویح) پڑھ رہے تھے۔ (یہ منظر دیکھ کر) عمرؓ نے فرمایا۔ یہ نیا طریقہ کس قدر بہتر اور مناسب ہے۔ لیکن (رات کا) وہ حصہ جسمیں یہ سو جاتے ہیں۔ اس سے بہتر اور افضل ہے جسمیں یہ نماز پڑھتے ہیں۔ آپ کی مراد رات کے آخری حصہ (کی افضلیت) سے تھی کیونکہ لوگ نماز رات کے شروع ہی میں پڑھ لیتے تھے۔

(۷) عن نوفل بن اياس الهذلی قال كنّا نقوم فی عهد عمر بن الخطابؓ فی المسجد فيتفرق ههنا فرقة وههنا فرقة وكان الناس يميلون الی احسنهم صوتاً فقال عمرؓ اراهم قد اتخذوا القرآن اغانی اما واللّٰه لئن استطعت لاغيرن فلم

یمکث الاثلاث لیالٍ حتی امرأبیا فصلیٰ بھم رواہ البخاری فی خلق افعال العباد وابن سعد وجعفر الفریابی واسنادہ صحیح (آثار السنن ص ۲۴۸)

(۸) عن عبداللّٰہ بن ابی بکرؓ قال سمعت ابیّاً یقول کنا ننصرف فی رمضان من القیام فنستعجل الخدم بالطعام مخافۃ فوت السحور وفی اُخریٰ مخافۃ الفجر رواہ مالک (عبداللہ بن ابوبکر فرماتے ہیں کہ میں نے ابی بن کعب کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب ہم رمضان میں تراویح سے فارغ ہوتے تو اپنے نوکروں کو جلدی کھانا لانے کا کہتے فجر ہونے کے ڈر سے)

فائدہ:۔ نمبرا۔ ان روایات اور مابعد کی روایات سے ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ کے عہد سے باقاعدہ نماز تراویح کی جماعت شروع ہوئی کیونکہ اب فرضیت کا خوف نہ تھا اور مواظبت خلفاء اور صحابہ کی ثابت ہوئی ان سے جماعت کا تراویح میں سنت ہونا ثابت ہوا۔

(۲) روایت نمبر ۶ سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے اُن تراویح پڑھنے والوں کو ایک دوسری نماز کے پڑھنے کی ترغیب دی جو آخر لیل میں ہوتی ہے اور اُس نماز کو تراویح سے افضل قرار دیا، ظاہر ہے کہ وہ نماز تہجد ہے جس سے تہجد اور تراویح کا علیحدہ علیحدہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

مسئلہ جماعت:۔ والسنۃ فیھا الجماعۃ لکن علی وجہ الکفایۃ حتیٰ لو امتنع اھل المسجد عن اقامتھا کانوا مسیئین ولو اقامھا البعض فالمتخلف عن الجماعۃ تارک للفضیلۃ لان افرادالصحابۃ یروی عنھم التخلف (ھدایۃ ص ۱۵۱، ج ۱) ھذا عند اکثر المشائخ ومنھم من قال من صلی التراویح منفرداً کان تارکاً للسنۃ وھو مسیء'' (حاشیۃ ھدایۃ)

واقامتھا بالجماعۃ سنۃ'' ایضاً. (منیۃ المصلی) (تراویح میں جماعت مسنون ہے کفایت کے طور پر۔ یعنی اگر تمام مسجد والے تراویح کی جماعت نہ کرائیں تو وہ سب گناہ گار ہوں گے اور اگر کچھ جماعت سے پڑھیں تو نہ پڑھنے والے فضیلت کے تارک ہوں گے۔ یہ اکثر مشائخ کے ہاں ہے۔ جب کہ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ جو بھی اکیلے تراویح

پڑھے گا وہ سنت کا تارک ہوگا اور گناہ گار ہوگا) اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص جماعت سے تراویح نہ پڑھے تو وہ فضیلت کا تارک ہے۔

وان صلی احد فی بیته بالجماعة حصل لهم ثوابها وفضلها ولکن لم ینالوا فضل الجماعة التی تکون فی المسجد لزیادة فضیلة المسجد وتکثیر جماعة واظهار شعائر الاسلام (کبیری ص ۳۸۴) (یعنی اگر کوئی شخص گھر میں باجماعت تراویح پڑھ لے تو اسے اس (جماعت) کا ثواب تو مل جائے گا لیکن جماعتِ مسجد کی فضیلت اور مسجد اور تکثیرِ جماعت کی فضیلت اور شعائرِ اسلام کے اظہار کی فضیلت وثواب سے محروم ہو جائے گا)

فصل چہارم

بیس رکعت تراویح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے:- **(۱) اخرج ابن ابی شیبة فی مصنفه حدثنا یزید (بن هارون) ابنأ نا ابراهیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباسؓ ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر واخرجه الطبرانی وعبد بن حمید والبیهقی نحوه، ولفظ البیهقی عن ابن عباسؓ ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان یصلی فی رمضان فی غیر جماعة عشرین رکعة والوتر (کذافی تحفة الاخیار فی احیاء سنة سید الابرار لمولانا عبدالحی لکهنویؒ) قلتُ هو حسن" او مقبول"** (ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔ اور بیہقی کے الفاظ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بغیر جماعت کے بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔)

تحقیق صحتِ حدیث:

(۲) یہ امر عقلاً شرعاً اور عرفاً بالکل مسلّم ہے کہ کسی کی تصدیق وتائید یا ابطال وتردید کے دو ہی طریقے ہیں (۱) قول (۲) فعل۔ قولی تصدیق یہ ہے کہ زبان سے کسی کی تصدیق کر لی جائے اور فعلی تصدیق یہ ہے کہ اُس شخص کی بات کو عملی جامہ پہنا لیا جائے اسی طرح قولی تردید تو یہ ہے کہ زبان سے کسی کو جھٹلا دیا جائے اور فعلی تردید یہ ہے کہ عملی طور پر اُسے نظرانداز کر دیا جائے، بالکل یہی مسئلہ اصول حدیث میں مسلّم ہے چنانچہ صحیح حدیث دو قسم کی ہوتی ہے۔

(۱)　　جس کے ہر ایک راوی کی عدالت وضبط ائمہ حدیث نے بیان کی ہو پھر وہ سند متصل بھی ہو اور شذوذ وعلت خفیہ سے پاک ہو۔

(۲)　　جس کو اہل علم نے عملاً قبول کر لیا ہو یہ اہل علم کی فعلی تصدیق ہے اس کے بعد قولی تصدیقات یعنی سند کے ایک ایک راوی کی تفتیش کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ فعلی تصدیق زیادہ قوی ہوتی ہے، اس لحاظ سے صحیح حدیث کی دو تعریفیں ہوئیں۔ (۱) هو الخبر الواحد المتصل السند بنقل عدلٍ تام الضبط غير معللٍ بقادحٍ ولا شاذٍ (۲) (الف) علامہ جلال الدین سیوطیؒ نظم الدرر میں فرماتے ہیں المقبول ما تلقاه العلماء بالقبول وان لم يكن له اسناد صحيح. امام سخاویؒ شرح الفیۃ الحدیث میں فرماتے ہیں اذا تلقت الامة الضعيف بالقبول يعمل به على الصحيح حتىٰ انه ينزل منزلة المتواتر فى انه ينسخ المقطوع به ولهذا قال الشافعیؒ حديث لا وصية لوارثٍ لا يثبته اهل الحديث ولكن العامة تلقته بالقبول وعملوا به حتىٰ جعلوه ناسخاً للآية الوصية للوارث. (یعنی اگر کسی ضعیف حدیث کو امت قبول کر لے تو اس پر عمل کیا جائے گا حتی کہ وہ بمنزلہ متواتر کے ہو جائے گی جس سے کسی قطعی دلیل آیت کو منسوخ بھی کیا جا سکے گا۔ اسی لئے تو امام شافعیؒ فرماتے ہیں

کہ لا وصیة لــوارث اگرچہ اسے محدثین ثابت نہیں کرتے لیکن تلقی بالقبول کی وجہ سے اسے اس آیت کے لئے ناسخ بنادیا ہے جس میں وارث کی وصیت کا ذکر ہے) علامہ حافظ ابن حجرؒ الاافصاح علی نکت ابن صلاح میں لکھتے ہیں ومن جملة صفات القبول التی لم یتعرض لها شیخنا الحافظ یعنی زین العراقی ان یتفق العلماء علی العمل بمدلول الحدیث فانه یقبل حتیٰ یجب العمل به وقد صرح بذلک جماعة من ائمة الاصول ومن امثله قول الشافعیؒ (المذکور) (یعنی کسی حدیث کے مقبول ہونے کی صفات میں سے ایک صفت یہ ہے کہ علماء اس حدیث کے مدلول پر عمل پر متفق ہوجائیں پس ایسی حدیث مقبول ہوگی اور اس پر عمل واجب ہوگا۔ ائمہ اصول نے اس کی تصریح کی ہے۔ جن میں امام شافعیؒ بھی ہیں) ترمذی پڑھنے والے پر تو یہ اصول تو نہایت واضح ہے کہ امام ترمذیؒ اکثر مقامات پر سند پر جرح نقل کر کے پھر لکھ دیتے ہیں کہ اہل علم کا اس پر عمل ہے جس سے اُن کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اگرچہ سند کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح نہیں مگر اہل علم کی فعلی تصدیق کی وجہ سے قابلِ عمل و مقبول ہوگئی چنانچہ امام سیوطیؒ تعقبات میں جمع بین الصلوٰتین کی حدیث کے تحت لکھتے ہیں اخرجه الترمذی وقال حین ضعفه احمد وغیره والعمل علیه عند اهل العلم فاشار بذلک ان الحدیث اعتضد بقول اهل العلم وقد صرح غیر واحدٍ بان من دلیل صحة الحدیث قول اهل العلم به وان لم یکن له اسناد یعتمد علی مثله (تعقبات ص ۱۲) علامہ ابن عبدالبر مالکی اسی اصول کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں لما حکی الترمذی ان البخاری صحح حدیث البحر الطهور ماء ه واهل الحدیث لا یصححون مثل اسناده لکن الحدیث عندی صحیح لان العلماء تلقوه بالقبول (تدریب الراوی ص ۱۵) یعنی البحر الطهور ماءہ والی حدیث کو امام بخاری نے صحیح فرمایا ہے اور محدثین نے اسے صحیح نہیں کہا (ترمذی فرماتے ہیں کہ) لیکن یہ حدیث

میرے نزدیک صحیح ہے کیونکہ علماء کی تلقی بالقبول اسے حاصل ہے) الغرض آئمہ اصول کی تصریحات سے واضح ہے کہ صحت حدیث کا مدار صرف سند پر ہی نہیں بلکہ اہل علم کے تلقی بالقبول پر بھی ہے، اگر کوئی حدیث سند کے اعتبار سے خواہ کتنی ضعیف کیوں نہ ہو مگر اُسے تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہو جائے تو وہ نہ صرف قابل عمل ہو جاتی ہے بلکہ بعض حالات میں اُس پر عمل واجب ہو جاتا ہے اور امام شافعیؒ وغیرھم تو فرماتے ہیں کہ تلقی بالقبول کا شرف اتنا بڑا شرف ہے کہ بعض اوقات ایسی حدیث متواتر کا درجہ اختیار کر لیتی ہے اور اُس کے ساتھ قرآن کی قطعی آیت کو بھی منسوخ کیا جا سکتا ہے امام بخاری بھی اس اصول پر کار بند ہیں اور جبکہ اسلام عملی دین ہے تو اس میں تعامل کی اہمیت کا انکار کرنا دراصل اسلام کو عملی کی بجائے نظری بنانا ہے اور جبکہ یہ اصول مسلّم ہے تو خلفائے راشدین، صحابہ، تابعین اور مابعد کے تیرہ سو سال کے تمام مسلمانوں کے تعامل سے زیادہ تعامل اور کیا ہو سکتا ہے، اس لحاظ سے یہ (ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا) حدیث نہایت صحیح اور ناقابل جرح ہو جاتی ہے پس ہمارے غیر مقلد دوستوں کا اس بات میں ورق سیاہ کرنا کہ فلاں فلاں نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے، نہ اُن کو مفید ہے نہ ہم کو مُضر کیونکہ اُن سب اقوال سے یہی ثابت ہوگا کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور میں نے ثابت کر دیا ہے کہ جو حدیث تلقی بالقبول کا درجہ حاصل کر لے وہاں سند کا ضعف بالکل مُضر نہیں کیونکہ وہ ایک عملی حقیقت بن چکی ہے اور نظری بحثوں سے بالا ہو چکی ہے، ہاں اگر ہمارے غیر مقلد دوست اس کے تلقی بالقبول میں شک کریں تو اُن کے ذمہ لازم ہے، وہ عہد فاروقی کے آخری دور سے لے کر تیرھویں صدی ہجری کے ابتدائی دور تک پوری اسلامی دنیا میں کسی ایک مسجد کی نشان دہی کر دیں کہ فلاں مسجد میں تراویح کی جماعت بیس رکعت سے کم ہوتی تھی، میں علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ وہ انشاء اللہ العزیز اس پورے دور میں ساری اسلامی دنیا میں ایک مسجد بھی ایسی نہ بتا سکیں گے جہاں بیس سے کم تراویح باجماعت پڑھائی جاتی ہوں تو پھر اس سے بڑھ کر اس حدیث پر تعامل کا ثبوت اور کیا ہوگا؟ اور

ایسے زبردست تعامل کے بعد پھر اس کی سند کی تحقیق کرنا گویا بدیہی کو نظری بنانا ہے۔

بیس رکعت کی حدیث کی محدثانہ تحقیق:-

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث کی سند پر ہمارے بعض احباب نے بہت لے دے کی ہے، سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان ہے جو سخت ضعیف ہے۔

ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ:-

بڑے نیک اور دیندار شخص تھے یہ صاحب مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ کے دادا ہیں اپنے زمانہ میں واسط کے قاضی تھے، نہایت عادل تھے۔

عدالت:-

امام بخاریؒ کے استاذ الاستاذ حضرت یزید بن ہارون [1] جو بہت بڑے حافظ حدیث اور نہایت ثقہ ہیں وہ ابوشیبہ کے محکمۂ عدالت میں کاتب تھے اور شب وروز کے واقف کار تھے، ابوشیبہ کے متعلق فرماتے ہیں ما قضیٰ علی الناس یعنی فی زمانہ اعدل فی قضاء منہ (تہذیب التہذیب ص ۱۴۵، ج ۱) احادیث میں یہ بات نہایت واضح ہے کہ عادل قاضی قیامت کے دن عرش کے سایہ میں نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے اور ابوشیبہ نہ صرف عادل بلکہ اعدل ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قاضی کی عدالت کی شرطیں راوی کی عدالت کی شرطوں سے سخت ہیں تو جب امام یزید بن ہارون جیسے جلیل القدر محدث فقیہ ابوشیبہ کو قضاء میں اعدل فرما رہے ہیں تو ابوشیبہ کے تدین اور اعدل فی الروایت ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے، جب ایسے شخص (عادل قاضی) کے تدین کی خود خدا اور رسول تعریف فرماتے ہیں۔

---

[1] آپ ۱۱۷ھ میں پیدا ہوئے دیگر اکابر شیوخ کے علاوہ حضرت امام اعظمؒ سے سند حدیث حاصل کی امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی، یحییٰ بن معین، ابن ابی شیبہ کے علاوہ ایک ایک حلقہ میں ستر ہزار تک تلامذہ کا اجتماع ہو جاتا تھا، بیس ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں، حضرت علی بن المدینیؒ جو امام بخاریؒ کے استاد ہیں کہا کرتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ کسی کو حافظ الحدیث نہیں دیکھا، ۲۰۶ھ میں وصال ہوا۔

(تہذیب الاسماء واللغات للنووی بحوالہ سیرۃ النعمان مختصراً)

حفظ وضبط:۔

اصولِ حدیث میں ثقہ راوی میں دو باتوں کا ہونا ضروری ہے (۱) عدالت یعنی اُس کا دیندار ہونا (۲) حفظ وضبط یہ کہ راوی کا حافظہ پختہ ہو اور بات کو خوب یاد رکھتا ہو، ابو شیبہ کے تدیّن وعدالت پر تو امام یزید بن ہارون کی مفسر شہادت کے بعد شُبہ ہی نہیں ہوسکتا لیکن یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید ابوشیبہ کا حافظہ خراب ہو اور اس وجہ سے وہ ضعیف ہو۔لیکن یہ شبہ بھی غلط ہے، علامہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری شرح صحیح بخاری پارہ نمبر ۷ اصفحہ ۶۸ پر فرماتے ہیں ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ الحافظ اس سے معلوم ہوا کہ ابوشیبہ کا حافظہ بھی قوی تھا لہٰذا جس کا تدیّن اور حفظ وضبط محدثین کے اصول پر ثابت ہوگیا اور ابوشیبہ اس روایت میں کسی ثقہ کا مخالف بھی نہیں تو حدیث کے صحیح ہونے میں کیا شُبہ رہا کیونکہ حدیث صحیح کی تعریف یہی ہے۔

ھو خبر الواحد (۱) المتصل السند (۲) بنقلِ عدلٍ (۳) تام الضبطِ (۴) غیر معللٍ بقادحٍ (۵) ولا شاذٍ۔ یہ حدیث متصل السند بھی ہے ابوشیبہ عادل بلکہ اعدل بھی ہے اور حافظ تام الضبط بھی کسی راوی کی مخالفت بھی نہیں کرتا کہ شذوذ کی وجہ پائی جائے اور کوئی علتِ قادحہ بھی نہیں پھر کونسی وجہ ہے اور کیا جواز ہے کہ ابوشیبہ کی اس حدیث کو ضعیف کہا جائے۔

ابوشیبہ پر جرح:۔

امام ذہبیؒ میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں کذبہ شعبۃ لکونہ یروی عن الحکم عن ابن ابی لیلیٰ انہ قال شھد صفین من اھل بدر سبعون فقال شعبۃ کذب واللّٰہ لقد ذاکرت الحکم فما وجدنا شھد صفین احد من اھلِ بدر غیر خزیمۃ قُلْتُ سبحان اللّٰہ اما شھدھا علیٌّ واما شھدھا عمّار (میزان الاعتدال) امام احمدؒ ایک روایت میں ضعیف فرماتے ہیں اور دوسری میں فرماتے ہیں متروک الحدیث قریب من الحسن بن عمارہ، امام بخاری۔نسائی۔ابوداؤد۔ابوحاتم، ابوعلی نیشا

پوری۔ صالح جزرہ۔ دارقطنی وغیرہ نے اُسے ضعیف کہا ہے۔ **قال ابو الاحوص ممن روی عنه شعبة من الضعفاء ابو شیبه. قال ابن عدی له احادیث صالحة وهو خير من ابراهيم بن ابی حیّة** (تہذیب التہذیب ص۱۴۵، ج۱) [۱]

ابو شیبہ کے متعلق یہ متضاد اقوال دیکھ کر آپ یقیناً حیران ہوں گے کہ یہ کیا ہے مگر جس شخص کی نظر کتب اسماء الرجال پر ہے وہ جانتا ہے کہ راویوں کے متعلق اس قسم کا اختلاف کوئی انوکھی بات نہیں ہے، ثقہ سے ثقہ راوی کو بھی بعض نے ضعیف کہہ دیا ہے اور ضعیف سے ضعیف راوی کو بھی بعض نے ثقہ کہہ دیا ہے اس لئے کسی راوی کے متعلق صحیح فیصلہ کرنے کے لئے تین چیزوں کی پرکھ ضروری ہے (۱) جارح کی حیثیت (۲) جرح کا سبب اور صیغہ جرح کا مرتبہ (۳) تعدیل کی اور معدّل کی حیثیت۔

جارحین:

کتب اسماء الرجال پر نظر رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ بعض جارحین نہایت متشدد ہیں، ذرا ذرا سی بات پر جرح کر دیتے ہیں، بعض نہایت متساہل ہیں اور بعض متوسط یا متیقظ ہیں **قال الحافظ ابن حجر فی نکته علی ابن صلاح ان کل طبقة من نقّاد الرجال لا یخلو من متشدد ومتوسط فمن الاولی شعبة** [۲] **وسفیان الثوری وشعبة اشد منه ومن الثانیة یحیی القطان وابن مهدی ویحیی اشد منه ومن الثالثة یحیی بن معین واحمد بن حنبل ویحیی اشد من احمد ومن**

---

[۱] مطلب پرستی: یہاں ہمارے غیر مقلد دوست شعبہ کی جرح کو ثابت کرنے کے لئے اُن کو نہایت ذی شان قرار دیتے ہیں اور حق بھی یہی ہے مگر آہستہ آمین کہنے کی حدیث میں جب یہی امام شعبہ سند میں آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس ایک ہی حدیث میں شعبہ نے چار غلطیاں کی ہیں۔ یہی شعبہ جب جابر جعفی کو جو حدیث من کان له امام فقراءة الامام له قراءة کا راوی ہے ثقہ کہتے ہیں تو غیر مقلد منہ بسور کر الگ جا بیٹھتے ہیں۔

[۲] شعبہ کا تشدد ترمذی کتاب العلل ص ۵۶۴ پر بھی ملاحظہ فرمائیں کہ کس طرح معمولی معمولی بات پر ابالزبیر مکی۔ عبد الملک بن ابی سلیمان اور حکیم بن جبیر جیسے حفاظ حدیث کو متروک قرار دے دیا ہے حالانکہ یہ صحاح کے مرکزی راوی ہیں، ابوزبیر احفظ الحدیث ہے (ترمذی ص ۵۶۵) اور عبد الملک مذکور میزان فی العلم (ترمذی ص ۵۶۵)

الرابعة ابو حاتم والبخاری و ابو حاتم اشد من البخاری.
(الرفع والتکمیل ص۹۱للمولانا عبدالحی لکھنویؒ)

متشددین:۔
شعبہ۔ابوحاتم۔نسائی۔ابن معین۔یحیٰی القطان۔ابن حبان۔ابن جوزی،ابن تیمیہ وغیرہ
متعصبین:۔ جوزجانی۔ذہبی۔بیہقی۔دارقطنی۔خطیب وغیرہ۔
متساہلین:۔ ترمذی،حاکم وغیرہ۔
معتدلین:۔ احمد۔ابن عدی وغیرہ۔

اقسام جرح:۔ جس طرح جرح کرنے والے کئی قسم کے ہیں اسی طرح جرح بھی کئی قسم کی ہوتی ہیں مگر سب اقسام دو کی طرف راجع ہیں۔
(۱) **جرح مفسر:۔** جس میں جرح کرنے والا جرح کا سبب بیان کردے کہ یہ راوی عدم تدین کی وجہ سے یا حافظہ کی خرابی کی وجہ سے ضعیف ہے اور اُس دعوے پر وضاحت بھی کرے۔
(۲) **جرح مبہم:۔** جس میں جرح کا کوئی سبب بیان نہ کرے ویسے ہی ضعیف یا لیس بالقوی،متروک وغیرہ کہہ دے۔

ایک مغالطہ کی اصلاح:۔ سلف میں حدیث کی صرف دو قسمیں تھیں،صحیح اور ضعیف اور متاخرین محدثین نے تین قسمیں بیان کیں صحیح۔حسن۔ضعیف۔اس بحث کو العلامۃ المحدث القاضی الشیخ حسین بن محسن الانصاری الیمانی نے اپنے رسالہ التحفۃ المرضیہ میں نہایت بسط سے لکھا ہے۔ قال ابن تیمیۃ اثبات الحسن اصطلاح الترمذی وغیر الترمذی من اهل الحدیث لیس عندهم الاصحیح وضعیف والضعیف عندهم ما انحط عن درجة الصحیح ثم قد یکون متروکاً وهو ان یکون متهما او کثیر الغلط وقد یکون حسناً (تحفة المرضیه ص ۲۷۰)
(یعنی حسن کی اصطلاح ترمذی کی وضع کردہ ہے جب کہ ان کے علاوہ محدثین کے ہاں حدیث کی دو قسمیں ہیں صحیح اور ضعیف اور ضعیف وہ ہے جو صحیح کے درجہ سے کم ہو پھر چاہے وہ

متروک ہو اور متروک وہ ہے جو متہم یا کثیر الغلط راوی سے ہو یا چاہے حسن ہو۔)

الحاصل:- بقول ابن تیمیہؒ امام ترمذی سے پہلے حدیث حسن کو بھی ضعیف کہا جاتا تھا ان کے نزدیک حدیث ضعیف دو قسم تھی، قابل عمل نا قابل عمل، امام ترمذیؒ نے قابل عمل کے لئے حسن کی اصطلاح وضع فرمائی اور نا قابل عمل کے لئے ضعیف، اس لئے سلف محدثین میں سے کسی کا قول ضعیف دیکھ کر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ من کل الوجوہ ضعیف ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ حسن ہو اور حسن بالاتفاق قابل عمل ہے۔

ابوشیبہ کی جرح کا حال:-

ابوشیبہ کے متعلق جرح کے جو اقوال اوپر نقل کئے گئے ہیں۔ اُن کے متعلق تین باتیں یاد رہیں:

اوّل:- جن لوگوں نے جرح کی ہے اُن میں سے شُعبہ کے سوا کوئی بھی ابوشیبہ کا معاصر نہیں، جب انہوں نے ابوشیبہ کو دیکھا ہی نہیں تو اُن کی جرح یقیناً شعبہ کی تقلید ہے۔

دوم:- شعبہ کے سوا کسی ایک محدث نے بھی ابوشیبہ پر مفسر جرح نہیں کی محض مبہم جرح کی ہے الغرض ابوشیبہ میں مفسر اور مبین السبب جرح کرنے والا صرف ایک شخص شعبہ ہے، باقی سب بعد کے زمانہ میں شعبہ کے مقلد یا ناقل ہوئے ہیں، اب شعبہ کی جرح کا حال ملاحظہ ہو۔

شعبہ کی جرح:- یہ تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ شعبہ کا نام متشددین میں سرفہرست ہے، ابو شیبہ پر اُس کی جرح یہ ہے کہ اُس نے حکم کے واسطہ سے ابن ابی لیلیٰ سے روایت کی ہے کہ جنگ صفین میں اہل بدر میں سے ستر (۷۰) صحابہ شامل تھے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ حکم سے جب میں نے مذاکرہ کیا تو ہم اس فیصلہ پر پہنچے کہ اہلِ بدر میں سے خزیمہ کے سوا کوئی بھی جنگ صفین میں موجود نہ تھا۔

امام ذہبیؒ:- فرماتے ہیں سبحان اللہ (یعنی بڑے تعجب کی بات ہے) کہ جنگ صفین میں حضرت علیؓ اور حضرت عمارؓ کا ہونا نہایت ظاہر ہے اور یہ دونوں اہلِ بدر سے ہیں یعنی امام ذہبی نے فیصلہ دیا کہ شعبہ اور حکم کا مذاکرہ بالکل غلط ہے۔

لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اس مذاکرے سے ابوشیبہ کا جھوٹا ہونا کیسے ثابت ہو، کیونکہ ابوشیبہ نے حکم سے ابن ابی لیلیٰ کی روایت بیان کی ہے اور شعبہ نے خود حکم کی رائے بیان کی ہے اور یہ بات کوئی مستبعد نہیں کہ ایک شخص کی رائے اُس کی کسی روایت کے خلاف ہو۔ ابوشیبہ کی روایت کا تو شعبہ کے مذاکرہ میں تذکرہ ہی نہیں آیا اور نہ حکم نے یہ کہا کہ میں نے ابو شیبہ سے یہ روایت بیان نہیں کی تو ابوشیبہ کا جھوٹا ہونا کیسے ثابت ہوگا۔

لیکن میں مسئلے کی توضیح کے لئے کہتا ہوں کہ اگر بالفرض شعبہ حکم کے سامنے اس روایت کا ذکر بھی کرتا اور حکم اس روایت کا صاف انکار کر دیتا کہ میں نے یہ روایت بیان نہیں کی یا میں نہیں جانتا تو پھر بھی ابوشیبہ ضعیف الحدیث ثابت نہ ہوتا اور یہ مسئلہ جمہور محدثین اور اصحاب اصول کا قول ہے۔

انکارِ شیخ:۔ تفصیل مسئلہ کی یہ ہے کہ اگر ایک ثقہ راوی اپنے اُستاد سے روایت کرے پھر اُستاد اُس روایت کا انکار کرے تو یہ انکار دو قسم کا ہے (۱) مثلاً یہ کہ میں نہیں جانتا۔ یا میں نے یہ روایت نہیں کی وغیرہ اس صورت میں وہ روایت مقبول ہوتی ہے اور راوی ثقہ رہتا ہے (۲) اگر شیخ جزم کے صیغہ سے انکار کرے کہ وہ بالکل جھوٹا ہے میں نے ہرگز یہ روایت نہیں کی تو اُس راوی کی وہ روایت قابلِ قبول نہ ہوگی مگر راوی پھر بھی ثقہ رہے گا اور اُس کی باقی روایات صحیح ہوں گی۔ ایک دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

مثال اوّل:۔ ابن ماجہ۔ ابوداؤد۔ ترمذی، حاکم وغیرہ میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے **ایما امراۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل الحدیث** یہ حدیث سلیمان بن موسیٰ نے زھری سے روایت کی ہے ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث سلیمان سے سنی اُس نے کہا کہ میں نے زھری سے سنی ہے، ابن جریج کہتے ہیں میں جب زھری سے ملا میں نے اس سے اس حدیث کی بابت سوال کیا **فلم یعرفه** یعنی زھری اس حدیث کو جانتا ہی نہ تھا۔ اب اگر وہی اصول جو شعبہ نے ابوشیبہ کے متعلق استعمال کیا ہے یہاں

استعمال کیا جائے تو سلیمان بن موسیٰ کو کاذب ۔ منکر الحدیث اور ضعیف ومتروک کہنا چاہیے اور اس حدیث کو ضعیف کہنا چاہیے مگر محدثین نے اس کے متعلق یہ کہا ہے ۔

قال ابن حبان :- فی صحیحه ولیس هذا مما یقدح فی صحة الخبر لان الضابط من اهل العلم قدیحدث بالحدیث ثم ینساه فاذا سئل عنه لم یعرفه فلا یکون نسیانه دالاً علی بطلان الخبر (زیلعی ص ۱۸۵ ، ج۳) (یعنی بعض ضابط راوی ایک حدیث کو روایت کرتا ہے اور پھر اسے بھول جاتا ہے ۔ اور جب دوبارہ اس سے وہی حدیث پوچھی جائے تو وہ اس حدیث کو جانتا نہیں تو یہ بھول جانا حدیث وخبر کے باطل ہونے کی دلیل نہیں ۔ اس لئے یہ کوئی ایسی جرح نہیں جس سے حدیث وخبر کی صحت متاثر ہو)

امام حاکمؒ :- فرماتے ہیں فقد ینسی الثقة الحافظ بعد ان حدّث به وقد اتفق ذالک لغیر واحد من الحفاظ (مستدرک ص ۱۶۸ ، ج ۲) (یعنی بہت سارے حفاظ حدیث روایت کرنے کے بعد بھول گئے ۔)

قال ابن الجوزیؒ :- انکار الزهری الحدیث لا یطعن فی روایته لان الثقة قد یروی وینسی (زیلعی ص ۱۶۸ ، ج۳) (یعنی امام زہری کا کسی اپنی روایت کردہ حدیث کا انکار کرنا کوئی عیب نہیں کیونکہ ثقہ بھی روایت کر کے بھول جاتا ہے ۔)

قال احمد بن حنبلؒ :- کان ابن عیینة یحدث ناسا ثم یقول لیس هذا من حدیثی ولا اعرفه وروی عن سہیل بن ابی صالح انه ذکر له حدیث فانکره فقال له ربیعة انت حدثتنی به عن ابیک فکان سهیل یقول حدثنی ربیعة عنی وقد جمع الدار قطنی جزءً فیمن حدّث ونسی (زیلعی ص ۱۸۷ ، ج۳) علامہ ابن حجرؒ نے بھی ابن حبان وحاکم کے قول کو مختصر انقل کیا ہے (الدرایہ علی الہدایہ ص ۳۱۵ ، ج ۲)

دوسری مثال :- حدثنا ابن ابی عمر قال ناسفیان بن عیینة عن عمرو بن دینار عن ابی معبد مولی ابن عباسؓ انه سمعه یخبر عن ابن عباسؓ قال ما کنا

نعرف انقضاء صلوٰة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الا بالتکبیر قال عمرو فذکرت ذلک لابی معبد فانکره وقال لم احدثک بهذا قال عمرو وقد اخبرنیه قبل ذلک (صحیح مسلم مع النووی ص ۲۱۷، ج ۱) امام نوویؒ فرماتے ہیں "فی احتجاج مسلم بهذا الحدیث دلیل علیٰ ذهابه الی صحة الحدیث الذی یروی علیٰ هذا الوجه مع انکار المحدث له اذا حدث به عنه ثقة وهذا مذهب جمهور العلماء من المحدثین والفقهاءِ والاصولیین (نووی ص ۲۱۷، ج ۱) (یعنی امام مسلم کا اس سے حجت پکڑنا اس کی صحت کی دلیل ہے حالانکہ محدث (راوی) اس حدیث کا انکار کر رہا ہے بشرطیکہ ثقہ اس سے روایت کرے اور یہی جمہور محدثین، فقہاء اور اصولیوں کا اصول ہے)

تیسری مثال:- صحیح مسلم باب لاعدوی الخ میں ابوھریرۃؓ کی حدیث ہے ابو سلم اور حارث بن ابی ذباب وہ حدیث روایت کرتے ہیں ان کے ہی سامنے ابو ہریرۃؓ نے سختی سے انکار فرمایا کہ میں اس حدیث کو نہیں جانتا، اس کی شرح میں امام نوویؒ لکھتے ہیں ان نسیان الراوی للحدیث الذی رواه لا یقدح فی صحته عند جماهیر العلماءِ بل یجب العمل به (نووی ص ۲۳۰، ج ۲) (یعنی جمہور علماء کے ہاں کسی راوی کا اپنی روایت کردہ حدیث کو بھول جانا اس حدیث کی صحت پر اثر نہیں کرتا بلکہ اس پر عمل واجب ہے۔)

امام نوویؒ:- فرماتے ہیں "فاما اذا انکره انکاراً جازماً قاطعاً بتکذیب الراوی عنه وانه لم یحدثه به قط فلا یجوز الاحتجاج به عند جمیعهم لان جزم کل واحدٍ یعارض جزم الآخر والشیخ هو الاصل فوجب اسقاط هذا الحدیث ولا یقدح ذلک فی باقی احادیث الراوی لانا لم نتحقق کذبه (نووی ص ۲۱۷، ج ۱) (یعنی اگر استاد حدیث کا قطعی طور پر اور پختگی کے ساتھ انکار کرے تو صرف اسی حدیث کا اعتبار ساقط ہوگا اور یہ چیز راوی (شاگرد) کی دوسری روایات

پر اثر انداز نہ ہوگی۔)

الحاصل مذکورہ مثالوں میں ابوسلمہ۔ حارث بن ابی ذیاب۔ عمرو بن دینار اور سلیمان بن موسیٰ کی روایات پر ان کے شیوخ نے انکار فرمایا مگر اس انکار کی وجہ سے کسی نے ان کو ضعیف اور متروک نہیں کہا۔ لہذا حکم اگر ابو شیبہ کی صفین میں اہل بدر کی تعداد والی روایت کا جزماً انکار کرتا اور ابوشیبہ کو صاف جھوٹا کہتا تو بھی ابوشیبہ کی صرف وہی روایت ساقط الاعتبار ہوتی نہ کہ تمام روایتیں اور یہاں تو سرے سے حکم کا انکار کرنا ہی ثابت نہیں تو ابوشیبہ کو جھوٹا کہنا اور اُس کو اس وجہ سے ضعیف کہنا بالکل غلط ہے۔ یہاں تو واقعہ صرف یہ ہے کہ ابو شیبہ کے سامنے حکم نے ابن ابی لیلیٰ کی تحقیق بیان کی اور شعبہ کے سامنے اپنی تحقیق بیان کی تو اختلاف ہوگا تو ابن ابی لیلی اور حکم میں ابوشیبہ سے جھوٹ کا کیا تعلق، الغرض جس بیان سے جرح کی ساری عمارت تعمیر کی گئی ہے وہ بنیاد ہی سرے سے غلط ہے۔

كَذَّبَه' شُعْبَة:- جب شعبہ کا قول سرے سے جرح ہی نہ بنا تو کــذَّبَه' شعبہ کا ایسا ہی مطلب لیا جائے گا جو جرح نہ بنے، سو یاد رہے کہ کذب کا لفظ اہل عرب دو معنوں میں استعمال کرتے ہیں، جھوٹ بولنا جس سے تدین وعدالت مجروح ہو جاتی ہے اور بمعنی اخطاً۔

علامہ ابن حجرؒ:- فتح الباری کے مقدمہ میں فرماتے ہیں **قال ابن حبان اهلٰ الحجاز يطلقون كذَبَ في موضع اَخْطَأَوذكر ابن عبدالبر كذلك وامثله كثيرة والقائل كذب ابو محمد هو عبادة بن الصامتؓ لما اخبر انه يقول الوتر واجب فان ابا محمد لم يقله رواية وانما قاله اجتهاداً والمجتهد لا يقال انه كذب انما يقال انه اخطأ**(ص ۴۲۶) (یعنی اہل حجاز اخطاً کہنے کی جگہ پر کَذَبَ کا لفظ بول دیتے ہیں۔ ابن عبدالبر نے اسی طرح ذکر کیا ہے اور اس کی مثالیں کتب اسماء الرجال میں کثیر ہیں۔ اور کَذَبَ ابومحمد کہنے والے عبادۃ بن صامتؓ ہیں۔ جب انہیں یہ خبر دی گئی کہ ابومحمد کہتے ہیں وتر واجب ہیں۔ کیونکہ ابومحمد نے یہ بات روایۃً نہیں کہی بلکہ اجتہاداً کہی تھی اور مجتہد کے بارے میں کذب نہیں بلکہ اخطاً کہا جاتا ہے۔

اس دوسرے معنی میں یہ لفظ جرح ہی نہیں چنانچہ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے ابومحمد کے متعلق کذب فرمایا حالانکہ ابومحمد کسی کے نزدیک مجروح ضعیف اور متروک نہیں ہوا۔

دو قرینے:- کذبہ شعبہ میں کذب بمعنی اخطأ لینے پر دو زبردست اور واضح قرینے موجود ہیں (۱) میں یہ ثابت کر چکا ہوں کہ اصول حدیث کے مطابق شعبہ کا یہ بیان جرح نہیں بن سکتا تو پھر خواہ مخواہ اس کا ایسا معنی کیوں لیا جائے جس سے خود اصولِ حدیث ہی مجروح ہو جائے (۲) آپ ابوالاحوص کا بیان پڑھ آئے ہیں کہ شعبہ خود ابوشیبہ سے روایت کرتا ہے اور شعبہ بجز ثقہ راوی کے کسی سے روایت نہیں کرتا تو معلوم ہوا کہ خود شعبہ کے نزدیک بھی ابو شیبہ متروک نہیں ورنہ وہ خود اُس سے روایت کیوں کرتا۔

جب شعبہ کی جرح ہی غیر مؤثر ثابت ہوگئی تو باقی سب جارحین کی جرح بھی غیر مؤثر ہوگئی کیونکہ اُن میں سے کوئی بھی ابوشیبہ کا معاصر نہیں اور نہ کسی کی جرح مفسر ہے۔

سقوطِ جرح:- اگر ہم کذبہ شعبہ سے جرح ہی مرادلیں حدثنی عبیداللّٰہ بن معاذ العنبری قال نا ابی قال کتبتُ الی شعبة اسأله عن ابی شیبة قاضی واسطِ فکتب الیَّ لا تکتب عنه شیا ومزّق کتابی (صحیح مسلم ص۱۷، ج۱) تو اب شعبہ کا قول اور فعل متعارض ہوں گے کہ قولاً وہ ابوشیبہ کو مجروح قرار دیتے ہیں اور عملاً اُس سے روایت کرتے ہیں تو بوجہ تعارض شعبہ کی جرح ساقط ہوگئی اور باقی تمام محدثین کی جرح اسی بنیاد پر تھی، اس بنیاد کے ہدم سے وہ بھی کالعدم ہوگئی۔

متشدد کی جرح کا حکم:- میں کہتا ہوں اگر شعبہ جرح کے بعد اُس سے روایت نہ بھی کرتا پھر بھی یزید بن ہارون کی توثیق کی بنا پر ابوشیبہ ثقہ ہی قرار پاتے ہیں کیونکہ یہ تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ شعبہ متشددین میں سرفہرست ہے اور متشدد کی جرح کے متعلق اصولِ حدیث میں یہ قاعدہ ہے اذا ضعف رجلاً فانظر هل وافقه غیره علی تضعیفه فان وافقه ولم یوثق ذلک الرجل احد من الحذاق فهو ضعیف وان وثقه احد فهو ثقة (مقدمہ اعلاء السنن) (یعنی جب متشدد کسی راوی کی تضعیف کرے تو اس تضعیف میں کوئی

اور بھی اس کے موافق ہو اور ماہرین میں سے کوئی بھی اس راوی کی توثیق نہ کرے وہ راوی ضعیف ہے۔ اور اگر کوئی اور جارح اس راوی کی توثیق کرے تو وہ راوی ثقہ ہوگا۔)

اس اصول کے موافق معاصرین ابی شیبہ سے اگر کوئی حاذق ابوشیبہ کی توثیق کر دے اور شعبہ کی کوئی موافقت نہ کرے تو ابو شیبہ ثقہ ہوگا اور یہاں یہی پوزیشن ہے کہ شعبہ کے سوا معاصرین ابی شیبہ سے کسی نے اُس میں جرح نہیں کی اور یزید بن ہارون نے توثیق کر دی تو ابوشیبہ ثقہ قرار پائے گا۔

تنبیہ:- جس طرح شعبہ کی جرح کے متعلق رائی کا پہاڑ بنایا گیا ہے اُسی طرح بعد کے محدثین کی جرح کو بھی غلط رنگ میں پیش کیا گیا ہے، اُن کے متعلق پہلی بات یہ ذہن نشین رہے کہ یہ جارح نہیں بلکہ محض ناقل ہیں کیونکہ یہ ابوشیبہ کے معاصر نہیں ہیں۔

میں یہ عرض کر آیا ہوں کہ سلف میں ضعیف کا لفظ متأخرین کی مصطلحہ حسن کو بھی شامل تھا اِس لئے جن محدثین نے ابوشیبہ کو ضعیف کہا ہے اُس میں دونوں احتمال تھے کہ اُن کی مراد حسن الحدیث ہونا ہے یا بالکل متروک ہونا من کل الوجوہ تو محدثین نے اُس کی تشریح فرما دی۔ لیجئے دیکھیئے

امام احمدؒ:- نے فرمایا منروک الحدیث قریب من الحسن بن عمارة اور حسن بن عمارہ حسن الحدیث ہے، ابن عدی نے فرمایا لہ احادیث صالحة وھو خیر من ابراھیم بن ابی حیة (تہذیب ص۱۴۵، ج۱) (یعنی امام احمد بن حنبلؒ کے ہاں ابوشیبہ حسن بن عمارہ (جو حسن الحدیث ہے) کے قریب ہے اور ابن عدی کے ہاں ابوشیبہ، ابراہیم بن ابی حیہ (جو کہ ثقہ اور حسن ہے) سے بہتر ہے) اور ابراہیم بن ابی حیہ ثقہ اور حسن الحدیث ہے ونقل عثمان الدارمی عن یحییٰ بن معین انه قال شیخ ثقة کبیر (کذا فی اللسان ص۵۳ ج۱) اب ظاہر ہے کہ جو اُس سے بہتر ہوگا وہ حسن سے کم نہیں ہوسکتا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ :- فرماتے ہیں ابوشیبہ آں قدر ضعف ندارد کہ روایت اومطروح ساختہ شود (رسالہ تراویح بحوالہ حاشیہ مالا بدمنہ ص۶۴) (یعنی ابوشیبہ اس قدر

ضعیف نہیں کہ اس کی روایت کو پھینک دیا جائے۔نعیم)

علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی مدظلہ العالی:- فرماتے ہیں وقد ثبتت مواظبته صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی العشرین فی اثر ابن عباس الذی ھو حسن الاسناد (اعلاءالسنن ص ۷۴ ج ۷) (یعنی ابن عباسؓ کے اثر میں جو سنداً حسن ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعت تراویح پر مواظبت ثابت ہے)

پس اگر چہ صرف ضعیف کہنے والوں کے قول میں دونوں احتمال تھے مگر محدثین بالا نے تصریح فرمادی کہ مراد سب کی حسن ہونا ہے کیونکہ اُس زمانہ میں ضعیف کا لفظ حسن کو بھی شامل تھا اس لئے انہوں نے حسن بن عمارہ اور ابراہیم بن ابی حیہ کے ساتھ تشبیہ دے کر بتادیا کہ یہ ابوشیبہ اُن جیسا ہے یعنی حسن الحدیث ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں الحسن ان کان دون الصحیح فھو کالصحیح فی جواز الاحتجاج (یعنی اگر چہ حسن صحیح سے کم ہے لیکن حجت پکڑنے میں صحیح کی طرح ہے۔) (مقدمہ صحیح مسلم ص ۱۶، ج ۱) پس جرح قبول کرنے کے بعد بھی حدیث حسن ہوئی۔

اعتراض دوم:- ذہبی اور ابن عدی نے اس حدیث کو ابوشیبہ کی منکر روایات میں شمار کیا ہے۔

الجواب:- منکر، محدثین کی اصطلاح میں دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے (۱) ضعیف راوی ثقات کی مخالفت کرے (۲) جس حدیث کو ایک ہی راوی روایت کرے اگر چہ وہ راوی ثقہ ہو اس معنی میں منکر کا لفظ صحیح، حسن اور ضعیف تینوں قسم کی حدیثوں پر اطلاق کیا جاتا ہے۔

امام نوویؒ:- فرماتے ہیں ''فانھم قد یطلقون المنکر علی انفراد الثقة بحدیث وھذا لیس بمنکر مردود اذا کان الثقة ضابطاً متقناً (شرح صحیح مسلم ص ۵، ج ۱) (یعنی کبھی محدثین اس حدیث کو بھی منکر کہہ دیتے ہیں جسے کوئی اکیلا ثقہ راوی روایت کرے بشرطیکہ وہ ضابط اور متقن ہو)

امام سیوطیؒ :- فرماتے ہیں'' وقع فی عباراتھم انکر مارواہ فلان کذا وان لم یکن ذالک الحدیث ضعیفاً (یعنی فلاں نے جو روایت کیا ہے وہ منکر ہے اگر چہ وہ

حدیث ضعیف نہ ہو) قال ابن عدی انکر ما روی یزید بن عبداللّٰہ بن ابی بردة اذا اراد اللّٰہ بأمةٍ خیرا قبض نبیها قبلها قال وهذا طریق حسن رواته ثقات وقدادخله قوم فی صحاحهم انتهی (یعنی یزید بن عبداللہ کی مذکورہ حدیث کو منکر کہا گیا ہے حالانکہ یہ اس کے راوی ثقہ ہیں اور ایک قوم نے اسے صحیح کہا ہے) والحدیث فی صحیح مسلم وقال الذهبی انکر ما للولید بن مسلم من الاحادیث حدیث حفظ القرآن وهو عندالترمذی وحسنه الحاکم علی شرط الشیخین (یعنی ولید بن مسلم کی حدیث حفظِ قرآن کو ذھبی منکر کہہ رہے ہیں جو ترمذی میں ہے اور حاکم نے اس حدیث کو شیخین کی شرط پر حسن کہا ہے) (تدریب الراوی ص ۸۵ بحوالہ مقدمہ اعلاء السنن ص ۵۹)

اب سوال یہ ہے کہ بیس رکعت والی روایت کو کس معنی میں منکر کہا گیا ہے (۱) اگر ابوشیبہ اپنے سے کسی ثقہ کی مخالفت کرتا اور خود ضعیف ہوتا تو یہ پہلے معنی کے اعتبار سے منکر ہوتی اور منکر مردود کہلاتی مگر ابوشیبہ نے کسی راوی کی مخالفت نہیں کی اور نہ وہ ضعیف ہے پس یہ روایت منکر مردود نہیں ہو سکتی، ہاں ابوشیبہ ثقہ ہے اور اکیلا اس حدیث کو روایت کرتا ہے پس یہ منکر بمعنی فرد اور غریب ہے اور صحیح بھی ہے۔

اعتراض سوم:- ابن القطان نے کہا ہے کہ حکم نے مقسم سے صرف پانچ حدیثیں سُنی ہیں (مصابیح سیوطی)

الجواب:- ابن القطان کا یہ قول صحیح نہیں ہے امام ترمذیؒ نے سُنن میں اُن پانچ کے علاوہ بہت سی حدیثوں کو حسن کہا ہے اور سماع کو درست مانا ہے، اسی طرح عبدالحق نے احکام میں ابن القطان کے قول کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے وقول الترمذی اولیٰ۔

اعتراض چہارم:- ابن عباسؓ کی بیس رکعت والی روایت حضرت عائشہؓ کی آٹھ والی روایت کے معارض ہے۔ **الجواب:-** حضرت ابن عباسؓ کی روایت تراویح کے متعلق ہے اور حضرت عائشہؓ کی روایت تہجد کے متعلق ہے (جیسا کہ مفصل آئے گا انشاء اللہ

العزیز) پھر تعارض کیسا؟

اعتراض پنجم:- محدثین کرام نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ **والاعتماد فی هذاالفن علیهم.**

الجواب:- اولاً تو محدثین نے اُس کو من کل الوجوہ متروک نہیں فرمایا بلکہ حسن الحدیث مانا ہے، ثانیاً عملی طور پر تمام محدثین نے اس حدیث پر عمل فرمایا ہے، کسی ایک محدث کا نام بھی پیش نہیں کیا جا سکتا جو بیس رکعت سے کم پڑھتا ہو تو تعامل سے اس کی توثیق بھی فرما دی ہے۔

فصل پنجم

مواظبتِ خلفاء بھی سنت مؤکدہ ہے

(۱)عن العرباض بن ساریۃ قال صلیٰ بنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ذات یوم ثم اقبل علینا بوجهه فوعظنا موعظة بلیغة ذرفت منهاالعیون ووجلت منها القلوب فقال رجل یا رسول اللّٰہ کانّ هذه موعظة مودع فاوصنا فقال اوصیکم بتقوی اللّٰہ والسمع والطاعة وان کان عبداً حبشیاً فانه من یعش منکم بعدی فسیریٰ اختلافاً کثیرا فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذوایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة .رواه احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجة الاانهمالم یذکرالصلوٰة (زجاجة المصابیح ص ۴۷، ج ۱) (عرباضؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ہمیں نماز پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور پھر ہمیں ایک بلیغ نصیحت بھرا وعظ فرمایا جسے سن کر آنکھیں بہنے لگیں اور دل اس سے ڈر گئے۔ تو ایک کہنے والے نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! گویا کہ یہ رخصت کرنے والے کی نصیحت ہے۔ پس آپ ہمیں نصیحت کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور (امیر المؤمنین کی) سننے اور

(اس کی) ماننے کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر چہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ پس جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا تو عنقریب وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا (مسلمانوں میں) پس تم میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اور اسے مضبوطی سے پکڑ لو۔ اور دین میں نئی باتیں نکالنے سے بچتے رہو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اختلافات سے بچنے کے لئے امت کے ہاتھ ایک ایسا پیمانہ دے دیا ہے کہ اُس کے صحیح استعمال کے بعد اختلافات ختم ہو جاتے ہیں۔

پہلے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے بعد جو شخص ہوگا وہ بہت سا اختلاف دیکھے گا اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی تکمیل تدریجاً آہستہ آہستہ ۲۳ سال میں ہوئی، بعض امور اوائل اسلام میں جائز تھے اور آخر میں ناجائز قرار دیئے گئے'' جیسے نماز میں کلام اور اسی طرح شراب۔ جُوا اور تصاویر وغیرہ، بعض اشیاء پہلے فرض تھیں پھر صرف مستحب رہ گئیں جیسے نماز تہجد، روزہ عاشورہ وغیرہ۔ بعض چیزیں پہلے ناجائز تھیں پھر اجازت ہوگئی جیسے زیارت قبور وغیرہ، اِن تیئس سالوں میں لوگ مسلمان ہوتے رہے پھر بعض ہجرت کر کے دیگر ممالک میں تشریف لے گئے وہ اُن ہی باتوں پر عمل کرتے رہے جو پہلے اُن کو معلوم تھیں اگر چہ بعد میں اُن کی جگہ دوسری چیزیں مشروع ہو چکی ہوں، بعض صحابہ کرامؓ دور دراز کے رہنے والے تھے، وہ چند دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے جو کچھ اُن ایام میں دیکھا اپنے وطن جا کر اُس پر ہی عمل پیرا رہے اور اُسی کی روایت کرتے رہے۔ بعض جہاد و تبلیغ کے سلسلہ میں دور چلے گئے اِس لئے ضروری تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اختلاف ہو کیونکہ بعد کے آنے والے لوگوں کے سامنے تمام صحابہ کرامؓ کی روایات ہوں گی وہ دیکھیں گے کہ ایک صحابی ایک بات روایت کرتا ہے دوسرا اُس کے خلاف یہ تو نفس روایت کا اختلاف تھا۔ دوسری طرف فہم روایت میں اختلاف ہوتا تھا کہ

ایک فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ایک صحابیؓ اُس کو سنت سمجھتا تھا دوسرا صرف جواز سمجھتا تھا، مثلاً حج کے راستہ میں وادی محصب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اب بعض صحابہ نے اس کو سنت سمجھ لیا بعض نے کہا کہ یہ اتفاقیہ وہاں نماز پڑھی گئی۔ اسی طرح آپ پہلے ایک کام کرتے تھے پھر ترک فرمایا بعض نے اس ترک کو نسخ پر محمول کر لیا بعض نے صرف جواز پر، الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اختلاف روایت اور اختلاف درایت یقینی تھا اس لئے آپ نے اس اختلاف کا حل بتا دیا کہ خلفائے راشدین اور عبداللہ بن مسعودؓ جیسے صحابہ کرام جو بارگاہ نبوی کے حاضر باش تھے اور سفر وحضر، دن اور رات کے ساتھی تھے، جنہوں نے آپ کی پوری زندگی دیکھی تھی اور فقیہ بھی تھے کہ صحیح مطلب تک رسائی رکھتے تھے اُن کی اتباع کا حکم دیا اور یہ حکم بھی وجوب پر مشتمل تھا کیونکہ آپ کی اہل سنت کی پہچان اِن کے عمل کے آئینہ میں ہی دیکھی جا سکتی تھی یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ صحابہ کرامؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی تمام منزلوں کو ہمارے سامنے کر دیا مگر آخری تکمیل دین اِن حاضر باش اور فقہاء صحابہ سے ہی مل سکتا تھا اِس لئے آپ نے نہایت تاکید سے اس عمل کی تاکید فرمائی، اِس حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجوب کے تمام صیغے اس میں ارشاد فرما دیئے۔

(۱)　علیکم بسنتی وسنة الخلفاءِ پہلے تو اُن کو خلفاء فرمایا اور ظاہر ہے کہ خلیفہ کا حکم اتنا ہی واجب الاتباع ہوتا ہے جتنا اصل کا ورنہ خلیفہ ہونے کا کیا مطلب؟

(۲)　فان لفظ " علیکم " یدل علی اللزوم وصفاً والمعطوف فی حکم المعطوف علیه لغة فثبت به لزوم سنة الخلفاءِ کلزوم سنة الرسول صلی اللّٰه علیه وسلم فلا یصح التفرقة بینهما بالسنیة والندب فان المندوب لا یکون لازماً (اعلاء السنن ص ۴۵ ج ۷) (اس لئے کہ لفظ علیکم وصفاً لزوم پر دلالت کرتا ہے اور لغت کے اعتبار سے معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اس لئے حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین کی سنت کی اتباع بھی اتنا ہی لازم ہے جتنا کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی سنت کی اتباع۔اس لئے دونوں کے درمیان سنت اور مندوب ہونے کا فرق کرنا درست نہیں کیونکہ مندوب لازم ہی نہیں ہوتا)

(۳) پھر آپ نے اُن کو راشدین فرمایا اور ظاہر ہے کے رُشد کی اتباع لازم ہے ان کے سوا غیر رشد ہے۔

(۴) پھر المھدیین فرمایا، اب آپ ہی فرمائیں کہ اگر مہدیین کا اتباع واجب نہ ہوگا تو کن کا ہوگا۔

(۵) پھر حکم فرمایا کہ وتمسکوا بھا۔

(۶) پھر اور مزید تاکید عضوا علیھا بالنواجذ سے فرمادی، ظاہر ہے کہ یہ دونوں حکم دونوں سنتوں کی طرف یکساں راجع ہیں پس اگر سنت نبوی لازم الاتباع ہے تو سنت خلفاء بھی لازم الاتباع ہوگی جب دونوں سنتوں کا حکم ایک ہی صیغہ سے بتایا تو فرق کرنا کیسا۔

(۷) پھر سنت کے لفظ کو خاص خلفاء کے ساتھ خاص کرنا بھی دلیل ہے کہ اتباع خلفاء اتباع سنت ہے کیونکہ دیگر آحاد صحابہ کا اتباع بالاتفاق مستحب ہے تو اگر خلفاء کا اتباع بھی مستحب ہی ہو تو وجہ تخصیص کیا ہوگی۔

(۸) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ خلفاء کا طریق سراسر رشد و ہدایت ہوگا اور بدعات سے پاک ہوگا بلکہ خلفاء کی سنت کے خلاف جو کچھ ہوگا وہ بدعت ہوگا اور واجب الاجتناب ہوگا۔

الحاصل اس حدیث سے اُن دوستوں کی غلطی ظاہر ہوگئی جو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تو سنت مؤکدہ ہے اور خلفاء کی سنت پر عمل مستحب ہے، یہ غلط ہے بلکہ ہر دو پر عمل سنت مؤکدہ ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کی صرف روایت حجت ہے وہ بھی سخت غلطی پر ہیں کیونکہ روایت تو ہر صحابی کی بشرط صحت وغیر منسوخ ہونے کے لازم الاتباع ہے پھر خلفاء کی اتباع کی ایسی زبردست تاکید کا کیا مطلب؟

خلاصہ: (۱) جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت لازم الاتباع ہے اُسی طرح سنتِ

خلفاء بھی واجب الاتباع ہے (۲) آحاد صحابہ کرام کی اتباع مستحب ہے (۳) جمہور صحابہ اور سواد اعظم صحابہ کرام کی اتباع لازم ہے اگرچہ اس بارے میں کتاب وسنت سے بہت کچھ ثابت ہے مگر یہاں صرف ایک ہی حدیث نقل کر دی ہے اگر کوئی زیادہ تفصیل چاہے تو ازالۃ الخفاء کا مطالعہ کر لے۔

فصل ششم

عہدِ فاروقیؓ وعثمانیؓ

(۱) اخرج البیھقی فی معرفة السنن والآثار اخبرنا ابو طاھر الفقیه ثنا ابو عثمان البصری ثنا ابو احمد محمد بن عبدالوھاب ثنا خالد بن مخلد ثنا محمد بن جعفر حدثنی یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید قال کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطابؓ بعشرین رکعة والوتر قال النووی فی شرح المھذب(ص ۳۲ ج ۴) اسناده صحیح وصححه السبکی والسیوطی وعلی القاری وغیرھم (یعنی ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے۔)

(۲) اخرج البیھقی فی سننه اخبرنا ابو عبدالله الحسین بن محمد بن فنجویه الدینوری بالدامغان ثنا احمد بن محمد بن اسحاق السنی انبأ عبدالله بن محمد بن عبدالعزیز البغوی ثنا علی بن الجعد انبأ ابن ابی ذئب عن یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عھد عمر بن الخطابؓ فی شھر رمضان بعشرین رکعةً قال وکانوا یقرؤن بالمئین وکانوا یتوکئون علی عصیّھم فی عھد عثمانؓ من شدة القیام (سنن الکبری ص ۴۹۶، ج ۲) (حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ صحابہ وتابعین حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ماہ رمضان میں بیس تراویح پڑھتے تھے۔ اور مئین سورتیں نماز میں پڑھتے تھے اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں زیادہ قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں کا سہارا لیا کرتے تھے)

(۳)وروی مالک من طریق یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید عشرین رکعةً (فتح الباری ص ۱۸۰ ج ۴) وفی الموطأ من طریق یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید انها عشرون رکعة (نیل الاوطار ص ۲۹۸ ج ۲) وروی محمد بن نصر المروزی من طریق مالک عن یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید عشرین رکعة (فتح الباری) فائدہ۔ان تینوں روایات سے بھی معلوم ہوا کہ تراویح بیس رکعات ہوتی تھیں۔

(۴) قال ابن عبد البر وروی الحارث بن ابی ذباب عن السائب بن یزید قال کان القیام علیٰ عهد عمرؓ بثلاثٍ وعشرین رکعة قال ابن عبدالبر هذا محمول علی ان الثلاث الوتر . (یعنی حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں تئیس رکعات پڑھتے تھے۔بیس تراویح اور تین وتر۔)

(۵)اخرج البیهقی فی سننه ص ۴۹۶ ج ۲ ومالک فی الموطا ص ۴۰ عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطابؓ فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة (زیلعی ص ۱۵۴ ج ۲) وهو مرسل [1] قوی قلت مرسلات موطا صحاح کذافی حجة اللّٰه البالغة.

(۶)اخرج ابن ابی شیبة فی مصنفه قال ثنا حمید بن عبدالرحمن عن حسن عن عبدالعزیز بن رفیع قال ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة ویوتر بثلاث (یعنی رمضان المبارک میں حضرت ابی بن کعب مدینہ میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔) (اعلاء السنن ص ۴۰ ج ۷) اس کی سند صحیح ہے اور اگر چہ یہ مرسل [2] ہے مگر امام حسن بصریؒ کی مرسلات بالاتفاق حجت ہیں اور مسند کے حکم میں ہیں، امام بخاریؒ کے استاذ علی بن المدینی فرماتے ہیں مرسلات الحسن اذا رواها الثقات صحاح (موضوعات کبیر علی قاریؒ)

[1] قال یحیی بن سعید القطان مرسلات مالک احب الیّ (ترمذی ص ۵۶۴)

[2] بصرہ میں اسی روایت پر عمل تھا اور خود امام حسن بصریؒ کے بھائی اس روایت کے مطابق بیس رکعت پڑھاتے تھے۔ دیکھو یہی رسالہ ص ۳۸

(۷) اخرج ابن ابی شیبة و البیهقی عن عمرؓ انه جمع الناس علی ابی بن کعب و کان یصلیّ بهم عشرین رکعة (نقله السیوطی فی رسالته) (یعنی حضرت عمرؓ نے لوگوں کو ابی بن کعب پر جمع کیا اور وہ ان کو بیس رکعات تراویح پڑھاتے تھے)

(۸) عن محمد بن کعب القرظی کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعة یطیلون فیها القراء ة و یوترون بثلاث (قیام اللیل ص ۹۱) هذا مرسل ''قوی'' (یعنی لوگ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں بیس رکعات تراویح پڑھتے اور اس میں قراءت کو طویل کرتے اور تین رکعات وتر پڑھتے۔ مرسل روایت امام اعظمؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور تمام اہل مدینہ واہل عراق کے نزدیک حجت ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک اگر کسی دوسری سند سے مرسل کی تائید ہو جائے اگرچہ وہ دوسری سند ضعیف ہی ہو تو حجت ہو جاتی ہے اور یہاں تو پورا اجماع صحابہ اور بکثرت اسانید تائید میں ہیں۔

حضرت عمرؓ کا حکم:

(۹) اخرج عبدالرزاق فی مصنفه عن داؤد بن قیس وغیره عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید ان عمر بن الخطابؓ جمع الناس فی رمضان علی ابی بن کعب وتمیم الداری علیٰ احدی وعشرین یقومون بالمئین وینصرفون فی بزوغ الفجر (فتح الباری ص ۱۸۰ ج ا و عمدة القاری ص ۳۵۷ ج ۵) سنده صحیح

(۱۰) اخرج ابن ابی شیبة حدثنا وکیع عن مالک بن انس عن یحییٰ بن سعید عن عمر بن الخطابؓ انه امر رجلاً ان یصلیّ بهم عشرین رکعةً (یعنی حضرت عمرؓ نے ایک آدمی (ابی بن کعب) کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس تراویح پڑھائے)

(۱۱) اخرج احمد بن منیع بسنده عن ابی بن کعب ان عمر بن الخطابؓ امره ان یصلی باللیل فی رمضان ـــــ فصلی بهم عشرین رکعة (کنز العما

ل ص ۲۸۴ ج ۲)(ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے انہیں حکم دیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پس انہوں نے لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائی)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ:۔ فرماتے ہیں قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعۃ ویوتر بثلاثٍ فرأی کثیر من العلماءِ ان ذلک هو السنة لانه قام بین المهاجرین والانصار ولم ینکره منکر (فتاوی ابن تیمیه ص ۱۸۶ ج ۱)(امام تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ روایات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ اور اکثر علماء یہی کہتے ہیں کہ بیس تراویح ہی سنت ہے کیونکہ یہ مہاجرین وانصار صحابہ کے درمیان ہوا اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا (گویا کہ اجماع ہو گیا)

امام الآئمہ سراج الامت حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:۔

فقد ذکر فی الاختیار ان ابا یوسف سأل ابا حنیفة عنها وما فعله عمرؓ فقال التراویح سنة مؤکدة ولم یخرجه عمرؓ من تلقاء نفسه ولم یکن فیه مبتدعاً ولم یأمر به الاعن اصل لدیه وعهد من عند رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کذانقله الشامی (یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ نے امام اعظم ابوحنیفہؒ سے تراویح کے بارے میں اور حضرت عمرؓ کے اس فعل کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ یہ حضرت عمرؓ کی اپنی اختراع نہیں ہے اور نہ ہی آپؓ اس بارے میں بدعتی ہیں۔ یقیناً اس بارے میں آپ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی بنیاد ہوگی) (شامی)

فصل ہفتم

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا حکم

(۱) اخرج البیهقی فی سننه اخبرنا ابو الحسین بن الفضل القطان ببغداد انا محمد بن احمد بن عیسیٰ بن عبدک الرازی ثنا ابو عامر عمر بن تمیم ثنا

احمد بن عبداللّٰہ بن یونس ثنا حماد بن شعیب عن عطاء بن السائب عن ابی عبدالرحمٰن السلمی عن علیؓ قال ودعا القرآء فی رمضان فامرمنھم رجلاً یصلیؔ بالناس عشرین رکعة قال وکان علیؓ یوتربھم وروی ذلک من وجہٍ آخر (سنن کبرٰی ص ۲۹۶ ج ۲) حماد بن شعیب ضعیف (آثار السنن ص ۲۵۳ حاشیہ) یعنی حضرت علیؓ نے قاریوں کو بلایا اوران میں سے ایک کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس تراویح پڑھائے اور حضرت علیؓ لوگوں کو تین وتر پڑھاتے تھے۔

(۲)اخرج البیھقی فی سننه اخبرنا ابو عبداللّٰہ بن فنجویه الدنیوری ثنا احمد بن محمد بن اسحاق السُّنی ثنا احمد بن عبداللّٰہ البزار ثنا سعد ان بن یزید ثنا الحکم بن مروان السلمی انبأالحسن بن صالح عن ابی سعد البقال عن ابی الحسناء ان علی بن ابی طالبؓ امر رجلاً ان یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعة (سنن کبرٰی ص ۲۹۶ ج ۲) وفی السند ابی سعد البقال وثقه الھیثمی فی مجمع الزوائد فقال ھو ثقة مدلس وقال ابو اسامة حدثنا سعید بن المرزبان وکان ثقة قال ابوزرعة لین الحدیث مدلس قیل ھو صدوق قال نعم کان لا یکذب وروی عنه شعبة والسفیانان والاعمش وغیرھم وشعبة لا یروی الاعن ثقة (اعلاء السنن ص ۴۳، ج ۷) (یعنی حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحے یعنی بیس رکعات تراویح پڑھائے)

(۳) اخرج ابن ابی شیبة فی المصنف ثنا وکیع عن الحسن بن صالح عن عمرو بن قیس عن ابی الحسناء ان علیاً امر رجلاً یصلی بھم فی رمضان عشرین رکعة وعمرو بن قیس اظنه الملائی وثقه احمد ویحیی وابو حاتم وابو زرعة وغیرھم واخرج له مسلم قلت مدارھذاالاثر علی ابی الحسناء وھو لا یعرف (آثارالسنن ص ۲۵۳ حاشیہ) (یعنی حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات تراویح پڑھائے۔

اصحابِ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:

(۱) شُتیر بن شکل، ابوموسیٰ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے، یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص اصحاب میں سے ہیں (سنن کبریٰ للبیہقی ص ۲۹۶ ج ۲) علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اورام المومنین حضرت حفصہؓ اورام المومنین حضرت ام حبیبہؓ سے روایت کرتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ۳۱۲ ج ۴) اخرج ابو بکر بن ابی شیبة حدثنا وکیع عن سفیان عن ابی اسحاق عن عبداللّٰه بن قیس عن شتیر بن شکلٍ انه کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر قلت عبداللّٰه بن قیس لا یدری من هو تفرد عنه ابو اسحاق انتهی قلت قال البیهقی فی سننه روینا عن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علیؓ انه کان یؤمهم فی شهر رمضان بعشرین رکعة ویوتر بثلاث انتهیٰ قلت البیهقی لم یذکر اسناده ولعله من طریق عبداللّٰه بن قیس المذکور واللّٰه اعلم (تعلیق الحسن حاشیه آثار السنن ص ۲۵۳) (یعنی شتیر بن شکل رمضان المبارک میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے) میں کہتا ہوں کہ بیہقی نے یہ اثر نقل کر کے لکھا ہے وفی ذالک قوة (سنن کبریٰ ص ۲۹۶ ج ۲)

(۲) سوید بن غفلہ:- کوفہ کے رہنے والے تھے، انہوں نے جاہلیت کا زمانہ پایا اور عین اُس وقت جب کہ صحابہ کرامؓ سید الاولین والآخرین علیہ الف الف صلوٰۃ وسلام کی تدفین سے فارغ ہوئے تھے، مدینہ منورہ پہنچے، فتح یرموک میں شامل ہوئے: انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق۔ عمر فاروق۔ عثمان ذی النورین ،علی المرتضیٰ۔ عبداللہ بن مسعود۔ بلال۔ ابی بن کعب۔ ابوذر غفاری۔ ابودرداء۔ سلیمان بن ربیعہ۔ حسن بن علی اور زر بن حبیش رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔ ۱۳۰ سال کی عمر میں ۸۰ ھ میں فوت ہوئے (تہذیب ص ۲۷۹ ج ۴) اخرج البیهقی فی سننه ص (۴۹۶ ج ۲) اخبرنا ابو زکریا بن ابی اسحاق ثنا ابو عبداللّٰه محمد بن یعقوب ثنا محمد بن عبدالوهاب ثنا

جعفر بن عون عن ابی الخصیب قال کان یومُنا سوید بن غفلة فی رمضان فیصلی خمس ترویحاتٍ عشرین رکعة اسناده حسن (آثار السنن ص ۲۵۳) (یعنی سوید بن غفلہ ہمیں ماہِ رمضان میں پانچ ترویحے یعنی بیس رکعات تراویح پڑھاتے تھے)

(۳) ابن ابی ملیکہ :- جلیل القدر تابعی ہیں تیس صحابہ کرام کی زیارت کی ہے (تقریب التہذیب ص۲۰۶) اخرج ابو بکر بن ابی شیبة فی مصنفه حدثنا وکیع عن نافع بن عمر قال کان ابن ابی ملیکة یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعة واسناده صحیح (آثار السنن ص) (یعنی ابن ابی ملیکہ ماہِ رمضان میں ہمیں بیس رکعات تراویح پڑھاتے تھے)

(۴) علی بن ربیعہ :- جلیل القدر تابعی تھے، کوفہ کے امام مسجد تھے اخرج ابو بکر بن ابی شیبة ثنا الفضل بن دکین عن سعید بن عبید ان علی بن ربیعة کان یصلی بهم فی رمضان خمس ترویحات ویوتر بثلاث واسناده صحیح (آثار السنن ص ۲۵۴) (یعنی علی بن ربیعہ لوگوں کو رمضان میں پانچ ترویحے (بیس رکعات) اور تین وتر پڑھاتے تھے)

(۵) حارث اعور :- قال ابو بکر بن ابی داؤد کان الحارث الاعور افقه الناس وافرض الناس واحسب الناس لعلم الفرائض من علیؓ ----قال مرة بن خالد حدثنا محمد بن سیرین قال کان من اصحاب ابن مسعودؓ خمسة یؤخذ منهم ادرکت منهم اربعة وفاتنی الحارث فلم اره وکان یفضل علیهم وکان احسنهم ویختلف فی هؤلاء الثلاثة ایهم افضل علقمة ومسروق وعبیدة (میزان الاعتدال للذهبی) یہ امام مسجد تھے اور لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے (سنن بیہقی ص۴۹۶ ج ۲)

(۶) بصرہ کی جامع مسجد :- عبدالرحمن بن ابی بکرۃ اور امام حسن بصریؒ کے بھائی سعید

بن ابی الحسن جو بصرہ کی مساجد میں امام تھے لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے (قیام اللیل ص ۹۲) یہ دونوں حضرات حضرت علیؓ کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔
(۷) **ابو البختری**:- یہ حضرت علیؓ کے مستقر خلافت کوفہ کے رہنے والے تھے اور حضرت علیؓ کے شاگردوں عبدالرحمن سلمی اور حارث وغیرہما کے شاگرد اور صحبت یافتہ تھے۔
اخرج ابن ابی شیبة فی مصنفه حدثنا غندر عن شعبة عن خلف عن الربیع والنبی علیه خیراً عن ابی البختری انه کان یصلی خمس ترویحات فی رمضان ویوتر بثلاث قال النیموی قلت خلف لا اعرف من ھو (یعنی ابو البختری رمضان المبارک میں پانچ ترویحے (بیس رکعات) اور تین وتر پڑھتے تھے) (**التعلیق الحسن علی آثار السنن** ص ۲۵۵) میں کہتا ہوں کہ خلف کے نہ جاننے سے اِس سند کی صحت میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ یہ روایت خلف سے شعبہ نے کی ہے اور شعبہ ثقہ راوی کے علاوہ کسی سے روایت نہیں کرتا چنانچہ علامہ حافظ ابن حجرؒ خطبہ تہذیب التہذیب میں فرماتے ہیں **شعبة لا یروی الا عن ثقة** (ص ۵) علامہ ابن قیمؒ ایک حدیث (حدیث معاذ فی الاجتہاد) کے تحت لکھتے ہیں **کیف وشعبة حامل لواء ھذا الحدیث وقد قال بعض ائمة الحدیث اذا رأیت شعبة فی اسناد حدیث فاشدد یدیک به** (اعلام الموقعین ص ۲۷۳ ج ۱) پس جب شعبہ نے خلف سے روایت کی تو شعبہ کے نزدیک اُس کا ثقہ ہونا ثابت ہوگیا پس سند صحیح ہے۔
(۸) **عبداللہ بن مسعودؓ**:- ان کو معلمین قرآن میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نمبر پر ذکر فرمایا ہے (بخاری ص ۵۳۱ ج ۱) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس چیز کو تمہارے لئے ابن مسعود پسند کرے میں تمہارے لئے اُس پر راضی ہوں (مستدرک حاکم ص ۳۱۹ ج ۳ صحیح) نیز فرمایا ابن مسعودؓ کے عہد اور تحقیق کو مضبوطی سے قائم رکھو۔ اگر میں بغیر مشورہ کے تمہارے لئے خلیفہ کا انتخاب کروں تو وہ صرف ابن مسعودؓ ہی ہوں گے اور جس چیز کو تمہارے لئے ابن مسعودؓ پسند نہ کرے میں بھی اُس کو تمہارے لئے پسند نہ کروں

گا(الا ستیعاب ص ۳۵۹ ج ۱) حضرت عمرؓ نے اُن کو علم کا انبار کہا اور اہلِ کوفہ کی طرف تعلیم قرآن کے لئے ارسال فرمایا (بغدادی ص ۱۴۷ ج ۱) کان سادسا فی الاسلام ثم ضمه الیه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فکان من خواصه و کان صاحب سر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وسواکه ونعلیه وطهوره فی السفر ---شهد له رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بالجنة---ولی القضاء بالکوفة وبیت مالها لعمرؓ وصدراً من خلافة عثمانؓ ثم صار الی المدینة فمات بهاسنة ۳۲ھ---روی عنه ابوبکر وعمر وعثمان وعلی ومن بعدهم من الصحابة والتابعین (اکمال فی اسماء الرجال ص ۶۰۵ آخر مشکوٰة) اللہ اللہ اُس کی شان کا کیا انداز ہ جن سے خلفاء اربعہ بھی روایت کرتے ہوں۔ اخبرنا یحیی بن یحییٰ اخبرنا حفص بن غیاث عن اعمش عن زید بن وهب قال کان عبداللّٰه بن مسعودؓ یصلی لنا فی شهر رمضان فینصرف وعلیه لیل قال الاعمش کان یصلی عشرین رکعة ویوتر بثلاث (قیام اللیل ص ۹۱) (یعنی حضرت ابن مسعودؓ جو چھٹے نمبر پر اسلام لانے والے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص لوگوں میں سے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب سر اور سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جنت کی بشارت دی ہے۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں کوفہ میں قاضی اور بیت المال کے امین رہے اور حضرت عثمانؓ کے ابتدائی زمانہ میں بھی۔ پھر مدینہ واپس آ گئے ہیں ۳۲ھ میں وفات پائی اور خلفاء راشدین نے آپؓ سے حدیث روایت کی ہے۔ ان کے بارے میں مروی ہے کہ وہ بھی لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

(۹) شبرمہ:-عن شبرمة وکان من اصحاب علیؓ انه کان یؤمهم فی رمضان فیصلی خمس ترویحات رواه البیهقی (زجاجة المصابیح ص ۳۶۲ ج ۱) (یعنی شبرمہ جو اصحاب علیؓ میں سے ہیں وہ بھی لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات تراویح

پڑھاتے تھے)

(۱۰) امام بیہقیؒ:- اثر علیؓ کے متعلق فرماتے ہیں **وفی ذالک قوۃ** (سنن کبریٰ ص ۴۹۴ ج ۲) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس اثر سے استدلال کرتے ہیں (منہاج السنۃ ص ۲۲۴ ج ۲) علامہ ذہبیؒ ابن تیمیہ کے اس استدلال پر سکوت کرتے ہیں (**المنتقی للذہبی** ص ۵۴۲) جس سے ظاہر ہے کہ علامہ ذہبی کے نزدیک ابن تیمیہ کا استدلال اور اثر دونوں صحیح ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں **واکثر اھل العلم علی ماروی عن علی وعمر وغیرھما من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ** (ترمذی ص ۱۳۹ ج ۱) ان آثار سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ خلیفہ راشد کا حکم بھی بیس رکعت تراویح پڑھنے کا تھا اور آپ کے تمام شاگرد مدینہ۔ مکہ۔ کوفہ۔ بصرہ اور تمام ائمہ مساجد بیس رکعت تراویح باجماعت پڑھاتے تھے۔

رفع وساوس:- معزز ناظرین! بیہقی۔ ابن تیمیہ۔ ذہبی۔ ترمذی جس اثر سے استدلال کریں اور حضرت علیؓ کے تمام تلامذہ اپنے عمل سے جس اثر کی صحت پر مہر تصدیق ثبت کر چکے تھے اور تیرہ سو سال تک کسی محدث نے حضرت علیؓ کے زمانہ میں بیس رکعت کا انکار نہ کیا تھا، جونہی چودھویں صدی کا دور آیا ہمارے غیر مقلد دوستوں نے جرح کے سارے تیر اس روایت پر ہی توڑ دیئے، شاید اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ان کی حدیث کی سند کو دیمک ہی کھا جاتی، دنیا کو کیسے خبر ہوتی کہ خدا کی اس آباد دنیا میں اب بھی ایسے محدث موجود ہیں جو تیرہ صدیوں کی غلطیاں نکالنے بیٹھے ہیں۔

اعتراضات ملاحظہ ہوں: (۱) پہلے طریق میں حماد بن شعیب اور عطا بن السائب ضعیف ہیں (۲) دوسرے طریق میں ابو سعید بقال ضعیف بھی ہے اور مدلس بھی (۳) دوسرے اور تیسرے طریق میں ابوالحسناء ہے جس کو تقریب میں مجہول لکھا ہے (۴) یہ ابو الحسناء طبقہ سابعہ کا ہے جن کو کسی صحابی سے ملاقات نہیں تو سند منقطع ہوئی۔

ابوالحسناء:- تیسرا اعتراض تو بالکل غلط ہے کیونکہ جس ابوالحسناء کو حافظ ابن حجرؒ نے تقریب

میں مجہول کہا ہے وہ ابوالحسناء اور ہے جو حکم سے روایت کرتا ہے اور اُس سے صرف ایک راوی شریک نخعی روایت کرتا ہے۔ یہ ابوالحسناء اور ہے جس سے عمرو بن قیس اور ابوسعید البقال دوشاگرد روایت کرتے ہیں اور جس سے دوشاگرد ثقہ روایت کریں وہ بعض محدثین کی اصطلاح میں مجہول نہیں بلکہ مستور کہلاتا ہے

چوتھا اعتراض بھی غلط ہے کیونکہ اس ابوالحسناء کے شاگرد ابوسعید البقال اور عمرو بن قیس طبقہ خامسہ سے ہیں اور اُستاد یقیناً طبقہ رابعہ یا ثالثہ سے ہوگا تو سند متصل ہوگی۔

دوسرا اعتراض بھی غلط ہے کیونکہ ابوسعید بقال حسن الحدیث ہے، رہا اُس کا مدلس ہونا تو جب عمرو بن قیس اُس کا متابع ہے تو عیب تدلیس ختم ہوگیا۔ چنانچہ علامہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں "ومتیٰ توبع السیٔ الحفظ بمعتبر کان یکون فوقه اومثله لا دونه وکذا المختلط الذی لا یتمیز والمستور دالاسناد المرسل وکذاالمدلس اذالم یعرف المحذوف منه صار حدیثهم حسناً لا لذاته بل وصفه باعتبار المجموع (شرح نخبہ ص ۷۱)

مستور:۔ اب رہا یہ کہ ابوالحسناء مستور ہے تو مستور کی روایت کو بعض ائمہ اصول نے بغیر کسی قید کے قبول کیا ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں قد قبله جماعة بغیر قید (شرح نخبہ ص ۷۱) اور اوپر کے حوالہ سے ثابت ہوا کہ مستور کا اگر کوئی متابع ہو تو بالاتفاق مقبول ہے اور یہاں طریق اوّل میں ابوعبدالرحمٰن السلمی، ابوالحسناء کا متابع موجود ہے تو سند حجت ہوگی۔

الغرض ابوالحسناء اگر مستور ہے تو اُس کا متابع ابوعبدالرحمٰن سلمی موجود ہے اور ابوسعید بقال اگر مدلس ہے تو اُس کا متابع عمرو بن قیس موجود ہے۔ عطا بن سائب مختلط ہے تو دوسرے دونوں طریق اُس کے متابع ہیں اور حماد بن شعیب اس قدر ضعیف نہیں کہ متابعت بھی اُس سے جائز نہ ہو پس اصول حدیث اور تعدد طرق کی وجہ سے یہ حسن ہے اور پھر اصحاب علیؓ کے تعامل کے بعد تو اس بحث میں پڑنا ہی فضول ہے جو بحث ان حضرات نے شروع کر رکھی ہے۔

فیہ نظر:- مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوری نے لکھا ہے کہ حماد بن شعیب کے متعلق بخاری نے فیـــه نـظـر کہا ہے اس لئے وہ قابل متابعت نہیں تو عرض ہے اوس بن عبداللہ ربعی کے متعلق بخاری نے فیه نظر کہا ہے مگر خود بخاری نے اُس کی روایت نقل کی ہے تمام بن نجیح کے متعلق خود بخاری نے فیـــه نـــظـــر کہا اور رسالہ رفع یدین میں اُس کا اثر نقل کیا ہے۔ حبیب بن سالم انصاری کے متعلق بخاری نے فیه نظر کہا ہے، امام مسلم نے اپنی صحیح میں اُس کی روایت لی ہے تو جب بخاری و مسلم ایسے راوی سے احتجاجاً یا اعتضاداً روایت کرتے ہیں تو متابعت کس طرح ناجائز ہو سکتی ہے۔

فصل ہشتم

اجماعِ اُمّت:

(۱)عن داؤد بن الحصین انه سمع الاعرج یقول ماادرکت الناس الاوهم یلعنون الکفرة فی رمضان قال و کان القارئ یقرأ سورة البقرة فی ثمان رکعات فاذا قام بها فی اثنتی عشرة رکعة رأی الناس انه قد خفف رواه مالک و اسناده صحیح (داؤد بن الحصین سے مروی ہے کہ میں نے اعرج کو یہ کہتے سنا کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے تو لوگوں کو رمضان شریف میں کفار پر لعنت کرتے ہوئے پایا (اعرج نے) کہا: اور قاری سورۃ بقرۃ آٹھ رکعتوں میں پڑھتا پھر جب اس نے سورۃ بقرہ بارہ رکعتوں میں پڑھی تو لوگ سمجھے کہ اس نے ہلکی نماز پڑھائی ہے) (آثار السنن ص ۲۵۰) یہ اعرج مشاہیر تابعین میں سے ہیں مدنی ہیں ان کی وفات ۱۱۰ھ میں اسکندریہ میں ہوئی (الاکمال ص ۵۸۶) ظاہر ہے کہ اعرج نے جو لوگوں کو دیکھا وہ صحابہ تابعین اور تبع تابعین تھے گویا خیر القرون کے لوگ بلا استثناء بیس رکعت تراویح با جماعت پڑھتے تھے۔

(۲) اخرج ابن ابی شیبة قال حدثنا ابن نمیر عن عبدالملک عن عطاء قال ادرکت الناس وھم یصلون ثلاثاً وعشرین رکعة بالوتر (عطاء تابعی فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو وتر سمیت تیئس رکعات پڑھتے ہوئے پایا) (آثار السنن مع تعلیق الحسن ص۲۵۵ واسنادہ حسن) یہ عطاء ۲۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۵ھ میں فوت ہوئے، دو سو صحابہ کرام سے ملاقات ہوئی، یہ فرماتے ہیں کہ میں نے سب لوگوں یعنی صحابہ و تابعین کو بیس رکعت تراویح ہی پڑھتے پایا۔ واخرج المروزی عن عطاء قال ادرکتھم فی رمضان یصلون عشرین رکعة وثلاث رکعات الوتر (قیام اللیل ص ۹۱) (یعنی میں نے لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے پایا)

(۳) امام شافعیؒ فرماتے ہیں ھکذاادرکت ببلدنامکة یصلون عشرین رکعة (ترمذی) (یعنی میں نے لوگوں کو مکہ میں اسی طرح بیس رکعات تراویح پڑھتے پایا ہے)

ائمہ اربعہ:-فاختار مالک فی احد قولیه وابو حنیفة والشافعی واحمد وداؤد القیام بعشرین رکعة سوی الوتر وذکر ابن القاسم عن مالک انه کان یستحسن ستاً وثلاثین رکعة والوتر ثلاث رکعات (بدایة المجتهد لابن رشد مالکیؒ ص ۱۹۲) (یعنی ائمہ اربعہ نے بیس رکعات کو ہی اختیار فرمایا)

مکرم ناظرین! مدینہ منورہ میں تو عہد فاروقی سے یہی بیس رکعت پر اجماع ہو گیا تھا۔ اسی طرح مکہ معظمہ کے متعلق عطاء، اور امام شافعیؒ کی شہادت نقل کی جا چکی ہے۔ کوفہ اور بصرہ کے متعلق اثر علیؓ کے تحت لکھا جا چکا ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے تمام شاگرد بیس رکعات پڑھاتے تھے، سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے متبعین کا عمل بھی بیس پر تھا۔ امام سفیان ثوریؒ التوفی ۱۶۱ھ بھی بیس کے قائل تھے (ترمذی) امام خراسان حضرت عبداللہ بن مبارکؒ التوفی ۱۸۱ھ بھی بیس کے قائل تھے۔ بغداد میں امام احمد التوفی ۲۳۵ھ بھی بیس رکعتوں کے قائل تھے اور داؤد ظاہری التوفی ۲۷۰ھ بھی بیس رکعت ہی کے قائل تھے (بدایۃ المجتہد ص۱۹۲ ج۱)

اِس کے بعد سارا عالم اسلام ائمہ اربعہ کی تقلید کے تحت آگیا اور اُن کے متبعین شرقاً غرباً بیس رکعت ہی پڑھتے رہے چنانچہ آئمہ اربعہ کا مسلک میں اوپر درج کر چکا ہوں

احناف :۔امام ابوحنیفہؒ کے متبعین کا عمل تو کسی پر مخفی ہی نہیں، علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں التراویح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاءِ الراشدين اجماعاً بعد صلوة العشاء وهی عشرون ركعة وهو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقاً وغرباً (ردالمحتار ص ۵۱۱ ج ۱) (یعنی خلفاء راشدین کے اجماعی طور پر عشاء کی نماز کے بعد مواظبت کی وجہ سے تراویح سنت مؤکدہ ہے اور وہ بیس رکعات ہیں۔ اور یہی جمہور کا قول ہے اور شرقاً غرباً اس پر عمل ہے)

قال ابن عبدالبر وهوقول جمهور العلماء وبه قال الكوفيون والشافعی واكثر الفقهاءِ وهو الصحيح عن ابی بن كعب من غير خلاف من الصحابة (عمدة القاری شرح صحيح بخاری) (یعنی بیس رکعات ہی جمہور کا قول ہے اور یہی احناف اور امام شافعیؒ اور اکثر فقہاء کا قول اور ابی بن کعب سے بغیر کسی اختلاف کے یہی صحیح مروی ہے)

شوافع ۔امام نوویؒ فرماتے ہیں اعلم ان صلوة التراويح سنة باتفاق المسلمين وهی عشرون ركعة (امام نوویؒ شافعی فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے اتفاق کے ساتھ تراویح بیس رکعت سنت ہے) (کتاب الاذکار ص ۸۳)

امام غزالیؒ لکھتے ہیں:۔التراويح وهی عشرون ركعة وكيفيتها مشهورة وهی سنة مؤكدة یعنی تراویح بیس رکعات سنت مؤکدہ ہے اور اس کی کیفیت اور طریقہ مشہور ہے۔ (احياء العلوم ص ۱۳۹ ج ۱) امام شعرانیؒ لکھتے ہیں ومن ذلک قول ابی حنيفة والشافعی واحمد رحمهم الله ان صلوة التراويح فی شهر رمضان عشرون ركعة (یعنی ائمہ ثلثہ کا (اور ایک روایت میں امام مالک کا بھی) یہی مسلک ہے کہ نماز تراویح بیس رکعت ہے۔(میزان کبریٰ ص ۱۵۳)

حنابلہ:۔امام احمدؒ کا مسلک پہلے بدایۃ المجتہد اور میزان شعرانی کے حوالہ سے نقل کر چکا ہوں،ابن تیمیہؒ کا قول بھی عہد فاروقی کے تحت آ چکا ہے قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعۃ فی رمضان ویوتر بثلاث فرأی کثیر من العلماء ان ذلک ھو السنۃ لانہ قام بین المھاجرین والانصار ولم ینکرہ منکر(فتاوی ابن تیمیہ ص ۱۸۶ ج ۱) (یعنی ابی بن کعبؓ کا بیس رکعت پڑھنا مہاجرین وانصار کی موجودگی میں ہوااور کسی نے اس پر انکار نہیں کیالہٰذا اس پر اجماع ہو گیا)
امام ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں والمختار عند ابی عبداللہ فیھا عشرون رکعۃ وبھذا قال الثوری وابو حنیفۃ والشافعی وقال مالک ستۃ وثلاثون وزعم انہ الامر القدیم وتعلق بفعل اھل المدینۃ ولنا ان عمرؓ لما جمع الناس علی ابی بن کعب کان یصلی بھم عشرین رکعۃ (یعنی ابوعبداللہ کے ہاں مختار مذہب بیس رکعات کا ہی ہےاور یہی ثوری۔ابوحنیفہ،شافعی کا قول ہے۔اورامام مالک کا ایک قول ۳۶ کا ہے۔اور ہماری دلیل یہ ہے کہ عمرؓ نے ابی بن کعب پرلوگوں کو جمع فرمایااور وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھاتے تھے) (المغنی ص ۸۰۲ ج ۱)
مقنع جو فقہ حنبلی کی کتاب ہے خوداُس کے مصنف نے تصریح کی ہے ھذا کتاب فی الفقہ علیٰ مذھب ابی عبداللّٰہ محمد بن احمد بن حنبل،اُس میں لکھا ہے ثم التراویح وھی عشرون رکعۃ یقوم بھا فی رمضان فی جماعۃ (مقنع ص ۱۸۳) فقہ حنبلی کی کتاب اقناع ص ۱۴۷ ج ۱ پر ہے التراویح عشرون رکعۃ فی رمضان یجھر فیھا بالقراءۃ وفعلھا جماعۃ افضل ولا ینقص منھا ولا بأس بالزیادۃ نصاً معلوم ہوا کہ حنبلی مذہب میں بھی بیس سے کم جائز نہیں۔
قطب ربانی سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں صلوۃ التراویح سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی عشرون رکعۃ (یعنی نماز تراویح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہےاور وہ بیس رکعات ہے) (غنیۃ الطالبین)

علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں وقد عدّوا ما وقع فی زمن عمر رضی اللّٰہ عنہ کا لاجماع (یعنی حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں بیس تراویح پر اکٹھ اجماع کی طرح ہے۔ (تعلیق الحسن ص ۲۵۵) نواب صدیق حسن خان صاحب نے بھی عون الباری میں اس کو نقل کر کے اُس پر سکوت فرمایا ہے۔

امام مالکؒ آپ سے ایک روایت بیس رکعت کی ہے، آپ کے متبعین میں سے بعض نے اُس پر عمل کیا ہے مگر مشہور روایت اُن سے چھتیس رکعت کی ہے اور بعض کتابوں میں چالیس رکعت لکھا ہے، علامہ قسطلانیؒ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اہل مکہ ہر چار رکعت کے بعد ترویحہ میں خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے اِس لئے اہل مدینہ نے اِس طواف کے عوض یہ شروع کیا کہ ہر چار رکعت با جماعت کے بعد ترویحہ میں چار رکعت اکیلے اکیلے پڑھ لیتے اب اگر تراویح کے درمیانی چار وقفے ہوں تو ۴x۴=۱۶ رکعت + یہ اور بیس رکعت اصل تراویح کل ۳۶ ہوئیں اور اگر تراویح اور وتر کے درمیانی وقفہ میں بھی کوئی شخص چار رکعت پڑھ لے تو کل تعداد چالیس ہوئیں۔ الغرض اہل مکہ بیس تراویح اور چار یا پانچ مرتبہ طواف کر لیتے تھے اور اہل مدینہ بیس رکعت تراویح اور ۱۶ یا ۲۰ نفل پڑھ لیتے تھے۔ بہر حال اہلِ مدینہ نے جو نوافل زائد کئے وہ بیس رکعت کے حساب سے ہی زائد کئے تو اُن کے نزدیک بھی اصل تراویح بیس رکعت ہی ہوئیں۔

امام مالکؒ کا مذہب پہلے میں نقل کر چکا ہوں کہ بیس رکعت کا ہے اور امام مالکؒ کے شاگرد ابن القاسم فرماتے ہیں انہ کان یستحسن ستا وثلاثین رکعۃ والوتر بثلاث (مدونہ کبریٰ) تو اُن کے مذہب کا خلاصہ یہ ہوا کہ بیس سنت ہیں اور وقفوں میں ۱۶ نفل مستحسن ہیں نہ کہ سنت۔

امام اسحاقؒ اکتالیس رکعت کے قائل تھے (ترمذی) معاذ، ابوحلیمہ اور اسود بن یزید نخعی بھی چالیس رکعت پڑھتے تھے (قیام اللیل) اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پانچوں وقفوں میں چار چار رکعت نفل پڑھتے تھے تو اُن کے نزدیک بھی اصل سنت بیس رکعت اور زوائد ۲۰

نفل تھے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ نے حکم دیا تھا کہ رمضان میں ۳۶ رکعت پڑھا کرو (قیام اللیل ص ۹۲) داؤد بن قیس کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد خلافت میں لوگ ۳۶ رکعت پڑھتے تھے (قیام اللیل ص ۹۲) عمر بن مہاجر کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد خلافت میں خاص اُن کی مسجد میں عام لوگ تیس رکعت پڑھتے (قیام اللیل ص ۹۱) ان میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ جمع ممکن ہے کہ وہ بیس رکعت تو با جماعت پڑھتے تھے اور درمیانی وقفوں میں علیحدہ علیحدہ پڑھتے تھے وہ جو چار چار پڑھتے تھے اُن کے چار وقفوں میں ۱۶ رکعت ہو کر ۳۶ بن جاتی تھیں اور بعض لوگ تنہا دو دو پڑھتے اُن کی پانچ وقفوں کی دس بنیں اس طرح کل تیس رکعت ہو جاتیں۔

فائدہ اول :- ظاہر ہے کہ یہ دو دو اور چار چار نفل جو لوگ ادا کرتے تھے یہ درمیانی وقفوں میں پڑھتے تھے، بیس رکعت پر سب کا اتفاق ہونے کے باوجود اختلاف اس میں تھا کہ درمیانی وقفے چار ہیں یا پانچ جو چھتیس پڑھتے تھے وہ صرف بیس رکعت تراویح کے درمیان چار وقفوں کے قائل تھے۔ گویا تراویح اور وتر کے درمیان وقفہ نہ کرتے تھے، یہ مالکیوں کا مسلک ہے اور جو لوگ تراویح اور وتر کے درمیان بھی وقفہ کرتے وہ پانچ وقفوں کے قائل تھے۔ جیسا کہ اسحاق۔ ابو معاذ اور اسود نخعی کا مسلک تھا۔ پس بیس رکعت پر اتفاق ہونے کے باوجود بعض لوگ بیس رکعت کو پانچ ترویحے کہتے تھے پس ابومجلزؒ کا عمل کان ابو مجلز یصلی بھم اربع ترویحات ویقرأبھم سبع القران کل لیلۃ (قیام اللیل ص ۹۲) کا یہ مطلب نہیں کہ وہ سولہ رکعت پڑھاتے تھے بلکہ بیس رکعت ہی پڑھاتے تھے۔ صرف درمیانی چار وقفوں کا اعتبار کر کے اربع ترویحات کہہ دیا گیا ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ بیس رکعت تراویح میں صرف چار ہی ترویحے بنتے ہیں پانچواں ترویحہ وتر کو ساتھ ملانے سے بنتا ہے اسی لئے جن روایات میں خمس ترویحات کا لفظ آتا ہے وہاں ساتھ وتر کا بھی ذکر ہے، ابومجلزؒ کی روایت میں وتر کا ذکر نہیں ہے اس لئے اربع ترویحات کا لفظ ہے،

سولہ رکعات مراد نہیں کیونکہ سولہ رکعات میں تو تین ہی ترویحے بنتے ہیں۔

فائدہ دوم:۔ ان تمام روایات میں چار رکعت کے بعد آرام کرنے کو ایک ترویحہ کہا گیا ہے اس لحاظ سے آٹھ رکعت کے درمیان صرف ایک ہی ترویحہ ہوا اور اگر وتر کا وقفہ بھی ملا لیا جائے تو دو ترویحے ہوئے تو گیارہ رکعت پر لغت وشرع کے اعتبار سے تراویح کا لفظ صادق ہی نہیں آتا کیونکہ تراویح جمع کا صیغہ ہے اور عربی میں عموماً جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے، اس لحاظ سے آٹھ رکعت صرف ترویحہ ہے اور گیارہ رکعت ترویحتین نہ کہ تراویح اور اُمت کا اجماع ہے کہ اس نماز کا نام تراویح ہے تو آٹھ اور گیارہ رکعات کو تراویح کہنا ہی غلط ہے۔

خلاصہ کلام:۔ (۱) بیس رکعت تراویح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے کما ھو فی حدیث ابن عباسؓ.

(۲) بیس رکعت تراویح کا خلفائے راشدین میں سے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے حکم دیا اور کسی ایک متنفس نے بھی اس پر انکار نہ فرمایا پس اس پر اجماع منعقد ہو گیا۔

(۳) تین خلفائے راشدین کے زمانہ میں تمام صحابہ کرامؓ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

(۴) خیر القرون صحابہ۔ تابعین۔ تبع تابعین کے دور میں بیس پر اجماع رہا، کسی نے انکار نہیں کیا۔ چاروں امام بیس رکعت تراویح کے سنت مؤکدہ ہونے کے قائل ہیں، امام مالکؒ کا مذہب بھی بیس کا ہے، ترویحات میں جو نوافل ہیں اُن کا تراویح میں شمار ایسا ہی ہے جیسے وتر کا شمار تراویح میں کر کے ۲۳ کہا جائے، تقریباً چودھویں صدی کے اخیر تک ائمہ اربعہ کے مقلدین پوری اسلامی دنیا میں بیس رکعت کے سنت مؤکدہ ہونے کے قائل اور عامل ہیں۔

ان سب کا خلاصہ یہی ہے کہ بیس رکعت تراویح سنت مؤکدہ ہیں، اس کا انکار کرنا، اس کے خلاف رسالے واشتہار شائع کرنا، اس کے خلاف مناظرے اور چیلنج کرنا محض تعصب ہے کیونکہ خلفائے راشدین۔ صحابہ۔ تابعین۔ تبع تابعین، ائمہ اربعہ اور اُن کے مقلدین سے اس سے کم ہرگز ہرگز ثابت نہیں، اگر بیس رکعت تراویح امر منکر ہے کہ اس کے خلاف رسالے۔ وعظ۔ مناظرے اور چیلنج کئے جائیں تو گیا خلفاء راشدین۔ صحابہؓ۔ اور تیرہ

سو سال تک امت مسلمہ اس منکر پر خاموش رہ کر کیا شیطان اخرس بنی رہی؟ معاذ اللہ نکیر تو اپنی جگہ رہی بلکہ اس پر عمل کر کے منکرین کے لئے کوئی گنجائش نہ چھوڑی۔

فصل نہم

التہجد فی رمضان

فصل دوم میں احادیث صحیحہ کی رو سے ثابت ہو چکا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم تمام رمضان میں عموماً اور عشرہ اخیرہ میں خصوصاً تمام رات خدائے واحد کی عبادت اور بندگی میں گزارتے تھے اور حدیث ابی ذرؓ میں ہے کہ جن تین راتوں میں آپ نے تراویح صحابہ کرام کو جماعت سے پڑھائی ہیں پہلے دن ثلث رات اور دوسرے دن نصف رات کے بعد اندر تشریف لے گئے اب آپ سوئے تو نہیں تو کیا کرتے رہے؟ صحیح حدیث سے پڑھئے۔

(۱) حدیث انسؓ:- اخرج مسلم فی صحیحہ عن انسؓ قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان فجئت فقمت الی جنبہ وجاء رجل آخر فقام حتی کنار هطاً فلما احس النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انا خلفہ جعل یتجوز فی الصلوۃ ثم دخل رحلہ فصلی صلوۃ لا یصلیھا عندنا الحدیث (ص ۳۵۲ ج ۱) (حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں نماز پڑھتے تھے۔ پس (ایک دن) میں آیا اور آپ کی ایک جانب کھڑا ہو گیا پھر ایک اور آدمی آیا اور وہ بھی نماز میں شریک ہو گیا یہاں تک ہم ایک جماعت بن گئے۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی نماز پڑھنے لگے پھر آپ اپنے حجرے میں داخل ہو گئے اور وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نماز پڑھی جو ہمارے پاس نہ پڑھی تھی)

(۲) اخرج احمد فی مسنده عن ثمامة بن عبداللّٰه بن انس بن مالک عن انس بن مالکؓ ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم خرج الیهم فی رمضان فخفف بهم ثم دخل فاطال ثم خرج فخفف بهم ثم دخل فاطال فلما اصبحنا قلنا یا نبی اللّٰه حلبنا اللیلة فخرجت الینا فخففت ثم دخلت فاطلت قال من اجلکم انتهیٰ واخرج احمد من طریق ثمامة ایضاً وفیه قالوا یا رسول اللّٰه صلیت فجعلت تطیل اذا دخلت وتخفف اذا خرجت قال من اجلکم فعلتُ (حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں ان کی طرف آئے اوران کو ہلکی نماز پڑھائی پھر اپنے حجرے میں جا کر لمبی نماز پڑھی پھر باہر آ کر ان کو ہلکی نماز پڑھائی پھر اندر جا کر لمبی نماز پڑھی پھر جب صبح ہوئی تو ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ جب ہمارے ہاں تشریف لاتے تو مختصر نماز پڑھتے اور اندر جا کر طویل نماز پڑھتے فرمایا تمہاری وجہ سے میں نے ایسا کیا)

(۳) واخرج ایضاً من طریقه عن انس بن مالکؓ ان اصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اتوه لیلةً فی رمضان فصلّٰی لهم فخفف ثم دخل فاطال الصلوة ثم خرج فصلّٰی بهم ثم دخل فاطال الصلوة ففعل ذلک مراراً الحدیث واخرج احمد من طریق حمید عن انسؓ وفیه ففعل ذلک مراراً کل ذلک یصلّی وینصرف قالوا یا رسول اللّٰه صلینا معک البارحة ونحن نحب ان تمد فی الصلوٰة فقال قد علمت بمکانکم وعمداً فعلت ذلک. (اس کا مطلب بھی اوپر کی حدیث والا ہے)

شیخ الاسلام بن نور الحق بن شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ :- شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں۔

''حدیث انس بن مالک کہ مسلم اور ا روایت کردہ ظاہر دراں است کہ قیام رمضان زائد بود بر نماز تہجد وحدیث ابی ذر دلالت دارد در اشتہار امر قیام رمضان بجماعت وثبوت عمل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم براں دراوّل شب بجماعت قصداً بخلاف تہجد کہ جُز درنصف آخر ثابت نشدہ وجماعت دراں وگذاردن آں بدیں وجہ سنت تقدیری بود یعنی اگر خوف نمی بود مواظبت میکرد (انتھی کلامہ)

الغرض حدیث مسلم میں یہ صراحت موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ تراویح پڑھیں ثم صلی صلوۃ لم یصلھا عندنا یعنی گھر جا کر تراویح کے علاوہ ایک اور نماز پڑھی، ظاہر ہے کہ وہ تہجد کی نماز تھی اور یہی دوسری مذکورہ احادیث کا حاصل ہے، اِس سے معلوم ہوا کہ رمضان میں تراویح کے بعد تہجد بھی پڑھنی چاہئے۔

حدیثِ عائشہ صدیقہؓ:- حدثنا عبداللّٰہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن سعید بن ابی سعید المقبری عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمٰن انہ اخبرہ انہ سأل عائشۃؓ کیف کانت صلوۃ (ای التھجد) رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ما کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علیٰ احدی عشرۃ رکعۃً یصلّی اربعاً فلا تسئل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی اربعاً فلا تسئل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی ثلاثاً قالت عائشۃ فقلتُ یا رسول اللّٰہ اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشۃ ان عینی تنامان ولا ینام قلبی (بخاری ص ۱۵۴ ج ۱، ص ۲۶۹ ج ۱) (ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رمضان شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز کا کیا دستور تھا۔ تو آپؓ نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات میں (تہجد کے لئے) گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ خواہ رمضان کا مہینہ ہو یا کوئی اور، پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت پڑھتے انکا حسن وطوالت بارے مت پوچھ کہ الفاظ ان کو بیان ہی نہیں کر سکتے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت پڑھتے۔ ان کے حسن وطوالت کے بارے نہ پوچھ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعات پڑھتے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھنے سے پہلے ہی سو جاتے ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہؓ ! میری آنکھیں سو جاتی ہیں، لیکن میرا دل نہیں سوتا۔
ما کان یزید:- ام المومنینؓ کی طرف سے سائل کا جواب اس جملہ سے شروع کرنا صاف دلالت کرتا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان المبارک میں شدت اجتہاد وشد احیاء اللیل وغیرہ سن کر سائل کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہوا کہ شاید آپ رمضان المبارک میں تہجد کو ہی بڑھا دیتے ہوں تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں ما کان یزید فرما کر اس شبہ کو دور فرما دیا، تراویح تو بارہ مہینے نہیں پڑھی جاتی کہ اُس کے متعلق سائل کو شبہ تزائد فی الرمضان کا ہوتا تو ظاہر ہے کہ یہ سوال اُسی نماز کے متعلق تھا جو پورا سال پڑھی جاتی ہے۔ ہاں رمضان میں تزائد کا شبہ تھا۔
فی رمضان ولا فی غیرہ:- اِس جملے سے صاف ظاہر ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں پورا سال تہجد پڑھا کرتے تھے، جو (لوگ) اس کو تراویح کے متعلق پیش کرتے ہیں اُن کے خلاف یہ جملہ نہایت واضح ہے کیونکہ رمضان اور غیر رمضان میں تہجد ہی پڑھی جاتی ہے تراویح کب غیر رمضان میں پڑھی جاتی ہے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں **وعن الوظائف التی تتکرر بتکرر السنین التراویح وھی عشرون رکعۃ وکیفیتھا مشھورۃ وھی سنۃ مؤکدۃ (احیاء العلوم)**
فلا تسئل عن حسنھن وطولھن:- اِس سے ظاہر ہے کہ یہ تہجد کے متعلق ہے کیونکہ حدیث انسؓ میں گزرا کہ طول قیام تہجد میں ہوتا تھا اور مختصر قیام تراویح میں۔
اتنام قبل ان توتر:- اور وتر سے پہلے سونا بھی تہجد میں ہی متصور ہے تراویح میں ثابت نہیں۔
شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ:- اپنے رسالہ تراویح میں فرماتے ہیں حدیث حضرت عائشہؓ محمول بر نماز تہجد است کہ در ماہ رمضان وغیر رمضان یکساں بود وغالباً عدد ش بقدر یازدہ رکعت مع الوتر میرسید دلیل بریں حمل آنست کہ راوی ایں حدیث ابوسلمہ در تتمہ ایں روایت میگوئید **قالت عائشۃ فقلت یا رسول اللہ اتنام قبل ان توتر قال یا عائشۃ ان عینی تنامان ولا تنام قلبی** وظاہر ست کہ نوم قبل از وتر در تہجد متصور میشود نہ

درغیرآں وروایات زیادت محمول برنماز تراویح ست کہ درعرف آں وقت بقیام رمضان مسمّٰی بود کہ آنحضرتؐ درحق آں فرمودہ است من قام رمضان ایماناً واحتساباً غفرله ما تقدم من ذ نبه ولہذا در کتب حدیث باب قیام رمضان راجدا گانہ از باب قیام اللیل کہ عبارت از تہجد است منعقد کردہ بالجملہ از احادیث مذکورہ والفاظ مستورہ یعنی مزید جد واجتہاد واحیاء لیلۃ وشدمئزر وترغیب قیام رمضان ایں قدر معلوم شد کہ عدد رکعات صلوٰۃ درلیل رمضان نسبت غیر رمضان بسیار بود' نیز:۔ شاہ صاحبؒ وہ احادیث جو ہم نے فصل اول دوم میں ذکر کی ہیں جن سے تمام رات عبادت کرنا ثابت ہے نقل کر کے فرماتے ہیں پس وجہ تطبیق درمیان ایں روایات کہ دلالت بر زیادت کمی وکیفی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دررمضان برغیر آں میکند ودراں روایات کہ نفی زیادت میکنند اینست کہ آں روایات محمول برنماز تہجد است (رسالہ تراویح)

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مدظلہ العالی:۔ فرماتے ہیں والحق انها (ای حدیث عائشۃ) مجموعة صلوة التهجد (اعلاء السنن ص ۴۶ ج ۷)

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ:۔ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں "جو ابو سلمہ نے قیام رمضان کو پوچھا ہے تو وہاں بھی مراد قیام رمضان سے تہجد ماہ رمضان کا ہے غرض اُن کی یہ تھی کہ تہجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رمضان میں بہ نسبت اور شہور کے زیادہ ہوتا ہے یا نہیں (رسالہ الرأی النجیح مندرجہ فتاوٰی رشیدیہ ص ۳۰۷) پھر حضرت نے اس پر مفصل بحث فرمائی ہے اور آخر میں فرماتے ہیں "لہٰذا حق یہ ہے کہ معنی حدیث کے یہ ہیں کہ ابوسلمہ نے بایں وجہ کہ رمضان میں آپ کا اجتہادِ عبادت زیادہ ہوتا تھا تہجد رمضان کو پُوچھا تھا کہ آیا رمضان میں تہجد آپ کا بہ نسبت اور ایام کے زیادہ ہوتا تھا یا نہیں تو حضرت عائشہؓ نے زیادتِ تہجد کی نفی کی، صلوٰۃِ تراویح سے اس میں کچھ بحث نہیں نہ سوال میں نہ جواب میں ---اس حدیث میں نہ زیادت تہجد کی نفی ہے اور نہ ذکر قیام رمضان کا جو سوائے تہجد کے ہے بلکہ ذکر اُن عدد رکعات کا ہے جو اکثر اوقات تہجد رمضان وغیر رمضان میں ہوتا تھا (رسالہ

الرای النجیح درفتاوی رشیدیہ ص ۳۱۰) حضرت نے اس بحث کو نہایت نفیس طرز سے رسالہ میں درج فرمایا ہے جو قابل ملاحظہ ہے، دلائل وہاں ملاحظہ ہوں خلاصہ اُن کا یہ ہے کہ فرماتے ہیں:۔(۱) تہجد وتراویح تشریعاً دو نمازیں ہیں کہ دو وقت میں مقرر کی گئی ہیں اور تہجد قرآن شریف سے ثابت ہوا اور تراویح حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر روز تہجد کو آخر شب میں پڑھا ہے ـــــ اور تراویح کو اول لیل میں پڑھا ہے ـــــ تہجد کو ہمیشہ منفرد اپڑھتے تھے کبھی بتداعی جماعت نہیں فرمائی، اگر کوئی شخص آ کھڑا ہوا تو مضائقہ نہیں ـــــ بخلاف تراویح کے کہ اُس کو چند بار تداعی کے ساتھ جماعت کر کے ادا کیا ـــــ ہر دو صلوٰۃ جداگانہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے واسطے تمام رات کبھی نہیں جاگے چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان تہجد میں فرماتی ہیں ما علم نبی اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قرأالقرآن کلہ فی لیلۃ واحدۃ ولا صلی الیلۃ الی الصبح الی آخر الحدیث اور یہ اُن کی تحدید صلوٰۃ تہجد میں ہے ورنہ صلوٰۃ تراویح میں صبح تک نماز پڑھنا روایت ابوذر سے خود ثابت ہو چکا ہے (ملخصاً از ص ۳۰۶ تا ص ۳۰۷ فتاوی رشیدیہ)

فرمانِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ:۔ حضرت گنگوہی فرماتے ہیں" اور بخاری نے جو حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جماعت تراویح کو جو اول وقت میں حضرت ابی کرارہے تھے اور یہ جماعت خود حضرت عمرؓ کی مقرر کرائی ہوئی تھی، دیکھ کر یہ فرمایا والتی تنامون عنھا افضل من التی تقومون تو اس سے بھی اگر مغائرت دونوں نمازوں کی نکالی جاوے تو بعید نہیں کیونکہ معنے اس قول کے یہ ہیں کہ جو نماز کہ اُس سے تم سورہتے ہو یعنی تہجد کہ آخر رات میں ہوتی ہے افضل ہے اُس نماز سے جو پڑھتے ہو تم یعنی تراویح کہ اول وقت پر پڑھتے تھے ـــــ تو حضرت عمرؓ نے اُن کو رغبت تہجد پڑھنے کی بھی دلائی کہ افضل کو ترک کرنا نہ چاہئے لہذا اول وقت میں تراویح اور آخر وقت میں تہجد ادا کریں (فتاوی رشیدیہ ص ۳۱۰، ۳۱۱)

حضرت محبوب سبحانی سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہٗ :۔فرماتے ہیں

ویستحب للتراویح جماعة والجهر بالقراءة لانّ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلّاھا کذلک فی تلک اللیالی ----ویکون فعلھا بعد صلوٰۃ الفرض وبعد وبعدرکعتین بسُنة وھی عشرون رکعة یجلس عقب کل رکعتین ویسلم وھی خمس ترویحاتٍ کل اربعة منھا ترویحة اس کے بعد فرماتے ہیں ویکرہ صلوٰۃ النوافل فی جماعة بعد التراویح فی احد الروایتین عند الامام احمد وروی عن انس بن مالک انہ کرھہ بل ینام نومة خفیفة ثم یقوم یأتی بما شاء من النوافل والتھجد ثم یرجع الی منامہ وھی ناشئة اللیل التی اثنی اللّٰہ علیھا وذکرھا وقال ان ناشئة اللیل ھی اشد وطأواقوم قیلا والروایة الثانیة ان ذلک جائز غیر مکروہ لکنہ یؤخرہ لماروی عن عمرؓ انہ قال تدعون فضل اللیل آخرہ الساعة التی تنامون احب الی من الساعة التی تقومون. انتھی مختصراً یعنی امام احمدؒ اورامام مالکؒ کے نزدیک رمضان میں تہجد کی جماعت میں اختلاف ہے مگر منفرداً پڑھنا بالاتفاق افضل ہے۔

الحاصل حضرت گنگوہیؒ سے پہلے حضرت محبوب سبحانی قدس اللہ سرہ نے بھی فرمان فاروقی سے تہجد ہی مراد لی ہے اور یہ بالکل ظاہر بھی ہے کیونکہ مفضل اور مفضل منہ غیر غیر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ایک ہی نماز اول شب میں مفضل منہ ہے اور وہی آخر شب میں مفضل ہے تو یہ باطل ہے کیونکہ سیاق لفظ سے بھی بعید ہے اور نیز حضرت عمرؓ نے یہ تمام انتظام کس واسطے کیا کہ لوگوں کو افضل سے نکال کر انقص کی طرف اجماع کیا، خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُن سب کو تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کی ہی ترغیب دی وھو المقصود۔

حضرت طلق بن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ:- عن قیس بن طلقؓ قال فلنا زارنا طلق بن علیؓ فی یوم من رمضان وامسی عندنا وافطر ثم قام بنا تلک اللیلة واوتر بنا ثم انحدر الی مسجدہ فصلی باصحابہ حتی اذا بقی الوتر قدم رجلاً فقال اوتر باصحابک فانی سمعت رسول اللّٰہ صلی

اللّٰہ علیہ وسلم یقول لا وتران فی لیلة (یعنی قیسؒ بن طلق فرماتے ہیں کہ ایک دن طلق بن علیؓ ہمارے پاس تشریف لائے ماہِ رمضان میں اور شام تک رہے اور روزہ افطار کیا اس کے بعد ہمیں اس رات کی تراویح اور وتر پڑھائے پھر اپنی مسجد میں جا کر لوگوں کو نماز پڑھائی۔ پھر جب وتر باقی رہ گئے تو ایک شخص کو امامت کے لئے آگے کر دیا اور فرمایا کہ وتر پڑھاؤ لوگوں کو کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ ایک رات میں دو وتر نہیں ہو سکتے) رواه ابو داؤد ونحوه فی النسائی اِس سے معلوم ہوا حضرت طلق نے تین جماعتیں کرائیں ایک وتر سے پہلے ایک وتر کی اور ایک وتر کے بعد یا دوسرے لفظوں میں وتر سے پہلے تراویح پڑھائی پھر وتر پڑھائے اور پھر تہجد پڑھائی جس سے ثابت ہوا کہ حضرت طلق اور آپ کے ساتھی رمضان میں بھی تراویح کے علاوہ تہجد پڑھتے تھے اور آپ پر حاضرین میں سے کوئی انکار تو کیا کرتا وہ خود شریک تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایسا قول وفعل جو غیر مدرک بالقیاس ہو حکم میں مرفوع کے ہوتا ہے۔

فقہ حنبلی:۔ کی معتبر کتاب مقنع میں ہے ثم التراویح وھی عشرون رکعة یقوم بھا فی رمضان فی جماعة ویوتر بعد ھافی الجماعة فان کان له تهجد جعل الوتر بعده (ص۱۸۴ ج۱) (یعنی بیس رکعات تراویح جماعت کے ساتھ پڑھے اور اس کے بعد جماعت سے وتر پڑھے ہاں اگر تہجد پڑھنے کا ارادہ ہو تو وتر تہجد کے بعد پڑھے)

امام احمد بن حنبلؒ:۔ اِس کے بعد مقنع میں مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے پہلے تراویح کے ساتھ وتر پڑھ لئے پھر اُس نے امام کے ساتھ تہجد پڑھی اور امام تہجد کے بعد پھر وتر پڑھے تو مقتدی کیا کرے جو پہلے وتر پڑھ چکا ہے) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ امام کے ساتھ وتر میں کھڑا ہو جائے اور جب امام سلام پھیرے تو یہ اُٹھ کر ایک رکعت اور ملا لے (حاشیہ پر ہے کہ یہ مسئلہ امام احمدؒ سے منصوص ہے۔

امام مالکؒ:۔ علامہ محمد عبدری مالکیؒ معروف بہ ابن الحاج فرماتے ہیں۔''احادیث میں ہے کہ جب صحابہ کرامؓ نماز تراویح سے فراغت پا کر اپنے گھروں کو مراجعت فرماتے تو اس

خوف سے اپنے خادموں کو کھانا لانے کی جلدی کرتے کہ مبادا صبح ہو جائے اور طول قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے، اِسی طرح صحابہ کرامؓ کو معاً پہلی اور پچھلی رات کے قیام (تراویح اور تہجد) کی دونوں فضیلتیں حاصل ہو جاتی تھیں، حضرات صحابہ کرامؓ ہمارے سردار و پیشوا ہیں اور محبّ اپنے محبوب کا مطیع اور مرضی شناس ہوتا ہے اِس لئے ہمارا فرض ہے کہ اُن کے آثارِ مبارکہ کی پیروی کریں لیکن عہد حاضر میں عام طور پر یہ مشکل نظر آتا ہے کہ مساجد میں عامۃ الناس کے ساتھ رات بھر نماز پڑھی جا سکے، تاہم کوشش کرنی چاہئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اِس سنت کو عملی جامہ پہنائیں اور اِس کی یہ صورت ہے کہ مسجد میں تو لوگوں کے ساتھ اسی قدر قیام کرلیں جس قدر کہ میسر ہو، اِس کے بعد گھر پہنچ کر ساری رات نماز میں کھڑے رہیں اور اگر کوئی دشواری نہ ہو تو اپنے اہل و عیال کو بھی شب بیداری میں شریک رکھیں ورنہ خود ہی تنہا مصروفِ نماز رہیں اور بہتر یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے اتباع میں نماز وتر تمام نفلی نمازوں (تہجد وغیرہ) کے بعد پڑھی جائے، امام مالکؒ مسجد میں جماعت کے ساتھ وتر نہیں پڑھتے تھے بلکہ تراویح پڑھنے کے بعد گھر آکر مصروفِ نماز ہوتے اور اخیر رات میں تہجد کے اختتام پر وتر ادا فرماتے تھے لیکن اگر کسی نے وتر کو اوّل شب میں امام کے ساتھ پڑھ لیا ہو تو اِس کو تہجد کے بعد دوبارہ نہیں پڑھنا چاہئے چنانچہ میرے شیخ ابو محمدؒ پہلے تو مسجد میں امام کے پیچھے تراویح اور وتر ادا فرماتے تھے اِس کے بعد مکان پر پہنچ کر مصروفِ نماز رہتے اور وتر کا اعادہ نہیں فرماتے تھے اور حضرت ابو محمدؒ نے فرمایا کہ ہمارے شیخ سیدی ابوالحسن زیات بھی ایسا ہی کرتے تھے (کتاب المدخل ص ۱۴۴ ج ۲)

خلاصہ:۔ فصل دوم میں بھی میں بہت سے صحابہ کرامؓ و تابعین و من بعدہم سے یہ ثابت کر آیا ہوں کہ تراویح کے بعد بھی تمام رات نہ سوتے تھے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام تابعین تبع تابعین تراویح کے بعد تہجد پڑھتے رہے ائمہ اربعہ میں سے امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا حال میں فصل دوم میں ذکر کر آیا ہوں اور امام مالکؒ کا عمل اس فصل میں بتادیا ہے، بہت سے محدثین خصوصاً امام بخاریؒ کا تراویح کے بعد تہجد پڑھنا بھی

فصل دوم میں لکھا جا چکا ہے پھر آج تک ائمہ اربعہ کے مقلدین بھی اس پر عمل پیرا ہیں، اب میں اپنے غیر مقلد دوستوں سے پوچھتا ہوں کہ رمضان کا مبارک مہینہ شروع ہوتے ہی جیسے آپ کی مساجد میں یہ اعلان ہو جاتا ہے کہ تراویح کے بعد تہجد پڑھنا خلاف سنت ہے۔ گناہ ہے۔ کیا آپ یہ دکھا سکتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی ایک ہی رمضان میں یہ اعلان فرمایا ہو کہ اب رمضان کا مہینہ آ گیا ہے، خبردار اگر کسی نے تراویح کے بعد تہجد پڑھی تو! اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایسا اعلان نہیں فرمایا اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ کبھی ایسا اعلان نہیں فرمایا تو آپ کی مساجد میں اس اعلان کی گونج کس کی سنت ہے، اس مبارک مہینہ میں آپ کا پریس آخر کیوں خدا کی عبادت سے دشمنی کرنے پر وقف ہو جاتا ہے، کہیں اشتہار ہیں، کہیں رسالے ہیں، آج اس چوک میں جلسہ ہے، کل فلاں چوک میں ہوگا اور یہ اعلان مساجد میں، محافل میں، بازاروں میں، جلسوں میں، جلوسوں میں کیا جاتا ہے کہ تراویح کے بعد تہجد پڑھنا خلاف سنت ہے، بدعت ہے، گناہ ہے۔ خدارا بتایئے کیا صحابہ کرامؓ، تابعین تبع تابعین، ائمہ اسلام، محدثین کرام اور صوفیاء عظام کا رمضان بھی اس مشغلے میں گزر جاتا تھا کہ خبردار زیادہ عبادت نہ کرنا ورنہ گناہ ہوگا۔

ازالہ شبہ:- ہمارے غیر مقلد دوستوں کے پاس تراویح اور تہجد کے ایک ہونے پر یا رمضان میں تراویح کے منع ہونے پر کوئی حدیث صحیح وقول خلیفہ راشد کا نہیں دلیل یہ ہے کہ امام محمدؒ نے موطا میں حدیث عائشہؓ کو باب قیام شہر رمضان میں لکھا ہے۔

الجواب:- امام محمدؒ نے موطا میں تہجد اور تراویح کے دو علیحدہ علیحدہ باب باندھے ہیں؛ حدیث عائشہ کو بروایت عروہ گیارہ رکعت باب صلوٰۃ اللیل (تہجد) میں ذکر فرمایا ہے اور حدیث عائشہ بروایت ابی سلمہ کو باب قیام رمضان میں اس سے اُن کا مقصد یہ ہے کہ تہجد جس طرح غیر رمضان میں پڑھی جاتی ہے رمضان میں بھی پڑھنی چاہیے، باقی رہی تراویح کی تعداد اُس میں آئمہ ثلاثہ حنفیہ کا کوئی اختلاف نہیں ہے، سب بیس رکعت کے قائل ہیں

(۱) امام محمدؒ کے علاوہ (۲) امام مالکؒ نے موطأ میں۔ (۳) امام ترمذی نے (۴) امام مسلم نے (۵) امام ابوداؤد نے (۶) امام مروزی نے قیام اللیل میں (۷) بیہقی نے سنن کبریٰ میں (۸) علامہ ولی الدین خطیب نے مشکوٰۃ المصابیح میں (۹) علامہ ابن قیمؒ نے زادالمعاد میں تراویح اور تہجد کے باب علیحدہ علیحدہ باندھے ہیں اور سب نے حدیث عائشہؓ کو باب تہجد میں ذکر کیا ہے، امام بخاریؒ نے بھی امام محمدؒ کی طرح تراویح اور تہجد کے باب علیحدہ علیحدہ باندھے ہیں اور حدیث عائشہ کو دونوں بابوں میں ذکر کیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ رمضان میں بھی تہجد پڑھنی چاہئے اور میں امام بخاریؒ کا عمل فصل دوم میں نقل کر چکا ہوں کہ آپ رمضان میں تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے، پس آپ کی عملی شہادت کو کس دلیل کی بنا پر ٹھکرایا جاسکتا ہے۔ میں اپنے کرم فرماؤں سے پوچھتا ہوں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ اور حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کے زمانہ میں جب تمام صحابہ کرامؓ مسجد نبوی میں باجماعت بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے تو کیا حضرت عائشہؓ اور ابوسلمہ[۱] بن عبدالرحمٰن نے اُن کے خلاف یہ حدیث پیش فرمائی تھی یا نہیں اگر فرمائی تھی تو ثبوت دیں، اگر نہیں فرمائی تھی تو آپ کیوں پیش فرماتے ہیں، کیا آپ اس حدیث کے مطلب کو حضرت عائشہ اور حضرت ابوسلمہؒ سے زیادہ سمجھتے ہیں یا یہ خیال کرتے ہیں کہ اُن میں احیاءِ سنت کا جذبہ چودہویں صدی کے غیر مقلدین جتنا بھی نہ تھا اور کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ صحابہ کرامؓ نے متفق ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں زیادتی کر دی، اگر آپ صحابہ کرامؓ کے متعلق یہی رائے رکھتے ہیں تو پھر اُن حضرات سے ملا ہوا قرآن اور باقی سارا دین مشکوک قرار پا جائے گا۔ پھر اِس حدیث کے مرکزی راوی امام مالکؒ ہیں۔

---

[۱] حضرت ابوسلمہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے لخت جگر ہیں اور مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں سے تھے۔ اور اہل مدینہ کا عمل ۳۶ رکعت پر تھا، کسی سند سے کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ آپ حدیث عائشہ کو تراویح کے باب میں سمجھ کر آٹھ پڑھتے تھے یا زیادہ والوں کو منع کرتے تھے۔ صفدر

تمام اصحاب صحاح ستہ نے اِن کی ہی روایت سے اِسی حدیث کو باب تہجد میں ذکر فرمایا ہے، امام مالکؒ اور امام بخاریؒ کے متعلق آپ پڑھ چکے ہیں دونوں تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔

علامہ ابن تیمیہؒ:- فرماتے ہیں وقد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعة فی رمضان ویوتر بثلاث فرأی کثیر من العلماء ان ذلک ھو السنة لانہ قام بین المھاجرین والانصار ولم ینکرہ منکر واستحب الآخرون تسعةً وثلاثین رکعةً بناءً علی انہ عمل اھل المدینة القدیم وقال طائفة قدثبت فی الصحیح عن عائشة ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یکن یزید فی رمضان ولا فی غیرہ من ثلاث عشر قرکعة واضطرب فی ھذاالاصل لما ظنوہ من معارضة الحدیث الصحیح لما ثبت من سنة الخلفاء الراشدین وعمل المسلمین والصواب ان ذلک جمیعہ حسن کما قد نص علی ذلک الامام احمد رضی اللّٰہ عنہ وانہ لا یتوقت فی قیام رمضان عدد فان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یوقت فیھا عدداً (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۹۱ ج ۱) علامہ صاحب نے کیا ہی خوب فرمایا کہ بیس رکعت سنت خلفاء ہے، مہاجرین وانصار کا بلانکیر اِس پر اجماع ہے اور اکثر مسلمانوں کا تعامل ہے اور بیس سے زائد اہل مدینہ کا تعامل ہے اور حدیث عائشہؓ سے معارضہ اگرچہ بعض طائفہ نے کیا ہے مگر یہ معارضہ صحیح نہیں کیونکہ سنتِ خلفاء اور تمام مسلمانوں کے تعامل کے خلاف ہے۔ الحاصل حدیث عائشہؓ کو بیس رکعت کے خلاف پیش کرنا تمام اُمت کا تخطیہ ہے۔

فصل دہم

تحقیق حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ:

جابر بن عبداللّٰہ کنیتہ ابو عبداللّٰہ الانصاری السلمی من مشاهیر الصحابة واحد المکثرین من الروایة شهد بدراً وما بعدها مع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ثمانی عشرة غزوة وقدم الشام ومصر وکف بصره فی آخر عمره روی عنه خلق کثیر مات بالمدینة سنة اربع وسبعین وله اربع وتسعون سنة وهو آخر من مات بالمدینة من الصحابة فی قول (الاکمال ص ۵۸۹) (یعنی حضرت جابرؓ جن کی کنیت ابوعبداللہ انصاری ہے۔ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں اور احادیث نبویہ کو کثرت سے روایت کرنے والے ہیں۔ غزوہ بدر سمیت اٹھارہ غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی اور جہاد وتبلیغ کے لئے شام اور مصر بھی گئے۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ ایک بہت بڑی تعداد میں لوگوں نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔ آپ ۹۴ سال کی عمر میں ۷۴ھ کو مدینہ میں وفات پا گئے۔ آپ ایک قول کے مطابق مدینہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی ہیں)

السند الاوّل:-اخرج الطبرانی فی معجمه الصغیر قال حدثنا جعفر بن حمید ثنا یعقوب بن عبداللّٰہ القمی عن عیسیٰ بن جاریة عن جابر بن عبداللّٰہ قال صلی بنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی شهر رمضان ثمان رکعات واوتر فلما کانت القابلة اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج فلم یخرج فیه فلم نزل حتی اصبحناثم دخلنا فقلنا یا رسول اللّٰہ اجتمعنا البارحة ورجونا ان تصلّی بنا فقال انی خشیت ان یکتب الوتر ولا یروی عن جابر بن عبداللّٰہ الا بهذاالاسناد تفرد به یعقوب وهو ثقة آثار السنن ص۲۴۸ مع التعلیق)واخرج المروزی قال حدثنا اسحاق

اخبرنا ابو الربیع ثنا یعقوب ثنا عیسیٰ بن جاریة عن جابر بن عبداللہؓ صلیٰ بنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی شهر رمضان ثمان رکعاتٍ واوتر فلما کانت اللیلة القابلة اجتمعنا فی المسجد رجونا ان یخرج فیصلی بنا فاقمنا فیه حتی اصبحنا فقلنا یا رسول اللّٰه رجونا ان تخرج فتصلی بنا فقال انی کرهتُ اوخشیتُ ان یکتب علیکم الوتر . قال حدثنا محمد بن حمید الرازی ثنا یعقوب بن عبداللّٰه ثنا عیسیٰ بن جاریة عن جابرؓ قال صلی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی رمضان لیلة ثمان رکعات والوتر فلما کان من القابلة اجتمعنافی المسجد ورجونا ان یخرج الینا فلم نزل فیه حتی اصبحنا قال انی کرهتُ اوخشیتُ ان یکتب علیکم الوِتر . (قیام اللیل ص ۱۶۰)قال عنبسة الرازی جعفر بن حمید حدثنا یعقوب القُمی عن عیسیٰ بن جاریة عن جابرٍ قال صلی بنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی رمضان ثمان رکعات والوتر الحدیث (میزان الاعتدال ص ۳۱۱ ج۲) واخرج ابن حبان عن جابرؓ انه علیه السلام قام بهم فی رمضان فصلی ثمان رکعات واوتر ثم انتظروه من القابلة فلم یخرج الیهم فسألوه فقال خشیت ان یکتب علیکم الوتر . رواه فی النوع التاسع والستین من القسم الخامس (زیلعی ص ۱۱۵ ج۲) ورواه ابن خزیمة وقال النیمویؒ وفیه اسناده لین (آثار السنن ص ۲۴۸) (ان ساری احادیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف میں (ایک رات) ہمیں آٹھ رکعت تراویح پڑھائی اور وتر پڑھائے۔ اور پھر اگلی رات ہم مسجد میں جمع ہوئے اور ہم نے امید کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لائے اور ہم صبح تک مسجد میں رہے پھر ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! گذشتہ رات ہم مسجد میں اکٹھے

ہوئے اور یہ امید رکھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ڈر گیا کہ کہیں تم پر وتر فرض نہ ہو جائے۔

بحث اوّل:۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح کی نماز کا حال چھ صحابہ کرامؓ سے مروی ہے (۱) حضرت عائشہؓ۔ ان کی روایت بخاری ص ۲۶۹ ج ۱ مسلم ص ۲۵۹ ج ۱، نسائی ص ۱۶۶ ج ۱، ابوداؤد ص ۱۳۸ ج ۱، موطا امام محمدؒ ص ۱۰۳ پر ہے

(۲) حضرت زید بن ثابتؓ ان کی روایت نسائی ص ۱۶۵ ج ۱ پر ہے

یہ دونوں حضرات بیان کرتے ہیں کہ آپ نے تین رات نماز پڑھائی پھر بخوف فرضیت جماعت ترک فرما دی۔ اُس رات کتنی رکعات پڑھائیں اس کا اُن روایات میں کوئی ذکر نہیں۔

(۳) حضرت ابوذرؓ، ان کی روایت ترمذی ص ۱۳۹ ج ۱، ابوداؤد ص ۱۳۸ ج ۱، نسائی ص ۱۶۶ ج ۱، ابن ماجہ ص ۹۶ پر ہے

(۴) حضرت نعمان بن بشیرؓ، ان کی روایت نسائی ص ۱۶۵ ج ۱ پر ہے یہ دونوں یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے تین رات تراویح پڑھائی پہلی رات ثلث دوسری رات نصف تیسری رات سحری تک نماز پڑھائی تعداد رکعات ذکر نہیں۔

(۵) حضرت انسؓ۔ یہ صرف ایک رکعت کی تراویح کا ذکر کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ ہمیں تراویح پڑھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ مبارک میں تشریف لے گئے **فصلیٰ صلوۃ لا یصلیھا عندنا** (مسلم ص ۳۵۲، ج ۱)

(۶) حضرت جابر بن عبداللہ یہ صرف ایک رات کی نماز کا حال بیان فرماتے ہیں مگر صحاح ستہ کی تمام روایات کے خلاف دو باتوں کا مزید ذکر فرماتے ہیں (۱) آٹھ رکعت (۲) آپ نے فرمایا **خشیت ان یکتب علیکم الوتر**. الغرض تمام صحابہ کرامؓ میں سے صرف ایک صحابی حضرت جابرؓ ہی آٹھ رکعت کا ذکر فرماتے ہیں آپ کے علاوہ ایک صحابی بھی آٹھ رکعت سے واقف نہیں۔

بحث دوم :- عیسیٰ بن جاریہ:- حضرت جابرؓ سے صرف ایک شخص اِس روایت کو بیان کرتا ہے وہ عیسیٰ بن جاریہ ہے، امام طبرانیؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں لا یروی عن جابر بن عبداللّٰہ الا بھذاالاسناداب اس کا حال ملاحظہ ہو۔ قال ابن معین عنده مناکیر وقال النسائی منکر الحدیث وجاء عنه متروک وقال ابوزرعة لاباس به وقال العلامة الخزرجی فی الخلاصة وثقه ابن حبان وقال ابوداؤد منکر الحدیث انتھیٰ قال الحافظ ابن حجر فی التقریب فیه لین" (التعلیق الحسن ص ۲۴۸) ساجی اور عقیلی نے اُس کو ضعفاء میں شمار کیا ہے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اِس کی حدیثیں محفوظ نہیں (تہذیب التہذیب ص ۲۰۷ ج ۲، میزان الاعتدال ص ۳۱۱ ج ۲) پس جبکہ عیسیٰ بن جاریہ منکر الحدیث ہے تو بقول علامہ سخاویؒ منکر الحدیث وصف فی الرجل یستحق به الترک لحدیثه (ابکار المنن ص ۱۹۱ لعبدالرحمن مبارکپوری) (یعنی منکر الحدیث ہونا ایسا ہے کہ جس راوی میں پایا جائے وہ اس بات کا مستحق ہوتا ہے کہ اس کی حدیث چھوڑ دی جائے)

بحث سوم:- یعقوب بن عبداللہ القمی :- عیسیٰ بن جاریہ سے روایت کرنے والا بھی ایک ہی شخص ہے قال یحییٰ بن معین لا اعلم احداً روی عنه غیر یعقوب القمی (کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ص ۲۷۳ ج ۳ مطبوعہ حیدرآباد) قال الدارقطنی لیس بالقوی وقال النسائی لا بأس به وقال الحافظ فی التقریب صدوق (حاشیہ زیلعی ص ۱۱۴ ج ۲) اِس سے معلوم ہوا کہ یہ صاحب بھی مختلف فیہ ہیں مگر یہاں ایک اور بات قابلِ غور ہے کہ یہ قمی یا شیعہ ہے اور شیعہ راوی اگر ثقہ ہو تو اُس کی روایت کا یہ حکم ہے کہ اگر اُس روایت سے شیعہ مذہب کی تقویت ہوتی ہو اور اہلِ سنت کے خلاف ہو بالکل مردود ہوتی ہے اور یہ ساری دنیا جانتی ہے کہ شیعہ حضرات نماز تراویح کے منکر ہیں اور اِسی وجہ سے غیر مقلدوں کی طرح وہ بھی

تراویح کو بدعت عمری کہتے ہیں اور حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ سے بیس پر اتفاق واجماع ہو گیا قمی کی یہ روایت دراصل تراویح کے انکار اور سنت فاروقی واجماع صحابہ کے خلاف ہے اس لئے اگر وہ بالکل ثقہ بھی ہوتا تو روایت نامقبول ہوتی اب جبکہ وہ خود مختلف فیہ ہے تو یہ روایت قطعاً مردود قرار پائے گی۔

بحث چہارم:۔ قمی سے اس حدیث کو جعفر بن حمید اور محمد بن حمید رازی روایت کرتے ہیں، جعفر بن حمید مجہول الحال ہے، نہ کسی نے اُس کی توثیق کی ہے نہ تضعیف (قال له صلاح الدین فی عشاریاته) امام ذہبیؒ نے بھی میزان میں اُس کی توثیق وتضعیف کچھ نقل نہیں کی۔ رہا محمد بن حمید رازی، تو امام سخاوی۔ نسائی۔ یعقوب بن شیبہ۔ جوز جانی۔ ابوزرعہ، ابن خراش اور ابونعیم نے اُس کی تضعیف کی ہے۔ ابن خزیمہ سے ابوعلی نے کہا کہ آپ محمد بن حمید سے حدیث کیوں نہیں لیتے حالانکہ امام احمدؒ اُن سے روایت لیتے تھے، آپ نے فرمایا امام احمد پر اُس کا وہ حال نہ کھلا تھا جو ہم پر کھلا، اگر امام احمدؒ بھی اُن حالات سے باخبر ہوتے تو ہرگز اُسے اچھا نہ سمجھتے۔ اسحاق کوسج کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب تھا۔ صالح بن محمد اسدی کہتے ہیں کہ وہ حدیثوں میں ردو بدل کر دیتا تھا اور بڑا دروغ گو تھا (تہذیب التہذیب ص۱۲۹ ج۹، میزان الاعتدال ص۵۰ ج۳) ہاں جو اُس کے حالات سے پوری طرح واقف نہ ہو سکے وہ اُس سے روایت لیتے تھے۔ خلاصہ بیس رکعت کی مرفوع حدیث میں ابوشیبہ پر بے جا جرح کرنے والوں کی روایت کے روات کا حال آپ کے سامنے ہے کہ تمام اُمت کے خلاف وہ ایک نہایت ضعیف روایت کی بنا پر جو شیعوں کی تصنیف ہے پوری اُمت کا مقابلہ کر رہے ہیں والی اللہ المشتکیٰ۔

بحث پنجم:۔ اِس حدیث میں صرف ایک رات کی تراویح کا ذکر ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ یہ حدیث حضرت انسؓ کی حدیث کے واقعہ سے متحد ہے، اس صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ایک نماز گھر جا کر بھی پڑھی فصلیٰ صلوٰۃ لا یصلیھا عندنا. اب ہمارے

غیر مقلد دوست اگر اُس نماز کو تہجد کہیں تو دل ما روشن چشم ماشاد لیکن وہ یہ کب مانیں گے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ آپ نے کچھ تراویح صحابہ کرام کے ساتھ ادا فرمائی باقی گھر جا کر ادا فرمائی، حضرت جابرؓ نے صرف وہ رکعات ذکر فرمائیں جو مسجد میں پڑھیں اور عبداللہ بن عباسؓ نے ساری ملا کر بیس رکعت بیان فرمادیں، تو اب اس روایت کو صحیح مان لینے کے بعد بھی آٹھ میں حصر کا دعوی بالکل باطل قرار پائے گا۔ وھوالمطلوب۔

بحث ششم:۔ اگر ہم بفرض محال اس حدیث کو صحیح بھی تسلیم کرلیں تو بھی اس حدیث سے آٹھ رکعت تراویح کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ صرف ایک رات کا واقعہ ہے اور اصول کا قاعدہ ہے واقعۃ حال لا عموم لھا یعنی جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک دفعہ یا چند مرتبہ کیا ہو اور اُس پر مواظبت نہ فرمائی ہو وہ سنت نہیں ہوتا جیسے آپ کا نماز میں بچی کو اُٹھا کر نماز پڑھنا، قبلے کی طرف منہ اور پشت فرما کر قضائے حاجت فرمانا۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے مگر سنت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین، صحابہ کرام، تابعین تبع تابعین اور آئمہ اربعہ میں سے کوئی بھی آٹھ رکعت تراویح کے سنت ہونے کا قائل نہیں ہے۔

بحث ہفتم:۔ اس حدیث کو بیس رکعت تراویح کے خلاف پیش کرنا اور بیس کی روایات کے متعارض سمجھنا ہی سخت غلطی ہے کیونکہ اس میں آٹھ سے زیادہ پڑھنے سے منع نہیں کیا گیا۔

مثال اول:۔ تہجد کی رکعات میں مختلف روایات ہیں چار رکعت، چھ رکعت، آٹھ رکعت۔ دس رکعت وغیرہ مگر کوئی نہیں کہتا کہ یہ احادیث آپس میں متعارض ہیں اسی طرح مثلاً ایک حدیث میں ہے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ ستر مرتبہ استغفار کرتے تھے دوسری میں ہے کہ سو مرتبہ استغفار کرتے تھے، اب اگر کوئی ستر دفعہ کرے تو ہم کہیں گے کہ اس نے سو والی حدیث پر عمل نہیں کیا مگر سو دفعہ استغفار کرنے والے کو نہیں کہہ سکتے کہ تُو نے ستر دفعہ والی روایت پر عمل ترک کر رکھا ہے کیونکہ سو دفعہ استغفار کرنے سے تو دونوں حدیثوں پر عمل ہوگیا اسی طرح بیس رکعت تراویح پڑھنے والے کو کہنا کہ تو نے آٹھ رکعت نہیں پڑھیں بالکل غلط

ہے پس نہ یہاں تعارض نہ ہمارے مخالف۔

بحث ہشتم:۔اگر کوئی حدیث نہایت صحیح السند بھی ہو مگر تمام صحابہ کرام نے اُس حدیث کے خلاف اجماع کر لیا ہو اور خاص طور پر اُس حدیث کا راوی بھی نصاً یا سکوتاً اُس اجماع میں شریک ہو تو وہ حدیث یا تو منسوخ ہوگی یا مؤول۔

امام نوویؒ:۔شرح صحیح مسلم کے مقدمہ میں فرماتے ہیں **ومن اقسام النسخ ما یعرف بالاجماع کقتل شارب الخمر فی المرۃ الرابعۃ فانہ منسوخ عرف نسخہ بالاجماع والاجماع لا ینسخ لکن یدل علی وجود الناسخ** حافظ ابن حجرؒ شرح نخبہ میں فرماتے ہیں **واما الاجماع فلیس بناسخ بل یدل علی ذلک** ۔(نسخ کی اقسام میں سے نسخ کی ایک قسم وہ ہے جو اجماع سے معلوم ہو جیسے چوتھی مرتبہ شراب پینے والے کو قتل کرنا منسوخ ہے جو اجماع سے معلوم ہوا ہے۔اگرچہ اجماع بذاتہ منسوخ نہیں کرتا لیکن کسی چیز کے منسوخ ہونے پر دلالت ضرور کرتا ہے)

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ:۔ اپنے رسالہ" افادۃ الشیوخ فی بیان الناسخ والمنسوخ" میں فرماتے ہیں" چہارم آنکہ باجماع صحابہ دریافت شود کہ ایں ناسخ است وآں منسوخ"۔۔۔۔ پھر کچھ مثالیں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں"لیکن صحابہ اتفاق کردند بر ترک استعمالِ ایں حدیث وایں دال است بر نسخ وے" پھر فرماتے ہیں" ومذہب جمہور نیز ہمیں است کہ اجماع صحابہ از ادلہ بیان ناسخ است"(یعنی نسخ کی چوتھی قسم وہ ہے جو اجماع سے معلوم ہوتی ہے۔جمہور علماء کا مذہب یہی ہے کہ صحابہ کا اجماع ناسخ کے بیان کے دلائل میں سے ہے)

قاضی ثناءاللہ صاحب محدث پانی پتیؒ:۔ تفسیر مظہری میں **یا اھل الکتاب تعالوا** الآیۃ کے تحت فرماتے ہیں **وانما قلت فی العمل بالحدیث ان یکون ذلک الحدیث قد ذھب الیہ احد من الائمۃ الاربعۃ کیلا یلزم العمل علی خلاف الاجماع الی ان قال وایضا لا یحتمل ان یکون الحدیث مختضیاً علی**

الائمة الاربعة وعن اکابر العلماء من تلامذتهم فترکهم العمل بحدیث دلیل علی کونه منسوخاً اومؤولاً (مظهری)
مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مدظلہ العالی:- فرماتے ہیں وکون الحدیث متروک العمل به فی قرن الصحابة او التابعین علامة نسخه او ضعفه کما یدل علیه کلام المنادالمذکوروصرح به فی التلویح (مقدمہ اعلاء السنن ص ۲۹) (یعنی کسی حدیث کا صحابہ وتابعین کے زمانہ میں متروک العمل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے یا ضعیف ہے)
نتیجہ:- یہ تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ بیس رکعت تراویح پر صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا پھر تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی آٹھ رکعت تراویح کے سنت ہونے کا قائل نہیں ہے جو اس حدیث کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آٹھ رکعت تراویح سنت کہنا خرقِ اجماع ہے۔ میں کہتا ہوں کہ خود حدیث میں اس کے منسوخ ہونے کی دلالت موجود ہے کیونکہ اس کا آخری جملہ خشیت ان یکتب علیکم الوتر ہے معلوم ہوا کہ یہ اُس زمانہ کا واقعہ ہے جب تک ابھی وتر واجب نہیں ہوا تھا اور بعد میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا ان اللّٰہ امدکم بصلوۃ خیرلکم من حمر النعم هی الوتر اور الوتر حق واجب علی کل مسلم اور الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منّا فرمایا اور حدیث جابرؓ کا آخری جملہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ واقعہ وجوب وتر سے قبل اور پہلے زمانہ کا ہے پس منسوخ ہوئی و الاجماع یدل علیه۔
بحث نہم:- مندرجہ بالا تمام ابحاث اس صورت میں ہیں کہ یہ حدیث تراویح کے متعلق ہو لیکن یہ ہی کسی یقینی دلیل سے ثابت نہیں، حق یہ ہے کہ یہ حدیث تہجد کے متعلق ہے اور اُس پر کئی قرائن خارجیہ وداخلیہ موجود ہیں، قرائن خارجیہ میں سے سب سے بڑا قرینہ احادیث شدمتر راوراحیائے لیل ہیں پھر اجماع صحابہ پھر جب صحابہ کرامؓ بیس رکعت پڑھتے تھے تو حضرت جابرؓ نے کبھی اس حدیث کو تراویح کے باب میں پیش نہ فرمایا، اُدھر حضرت

عائشہؓ کی حدیث نہایت واضح ہے کہ آٹھ رکعت حدیث تہجد ہے جو رمضان وغیر رمضان میں یکساں پڑھی جاتی ہے اور داخلی قرینہ سب سے بڑا یہ ہے کہ اِس حدیث کے آخر میں یہ جُملہ ہے خشیت ان یکتب علیکم الوتر اور وِتر کا اطلاق احادیثِ صحیحہ میں نمازِ تہجد پر تو ثابت ہے مگر نمازِ تراویح پر کسی صحیح حدیث میں وتر کا اطلاق ثابت نہیں مثلاً یوتر باحدی عشرۃؓ. یوتر بثلاث عشرہ و یوتر باربع وثلاث وغیرہ بے شمار روایات ہیں جن میں تہجد پر وتر کا اطلاق آیا ہے پس یہ حدیث تہجد کے بیان میں ہوئی، ہاں یہ یاد رہے اس سے تہجد کی جماعت کا سنت ہونا ثابت نہ ہوگا کیونکہ یہ ایک واقعہ ہے، مواظبت ثابت نہیں، صرف جواز ثابت ہوگا وہ بھی بالا تداعی۔

بحث دہم :- بہت سے محدثین اس طرف گئے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح کا عدد ثابت نہیں، اُن میں علامہ ابن تیمیہؒ سرفہرست ہیں، اُن کا قول میں نقل کر چکا ہوں۔ ملا علی قاری مرقاۃ ص ۱۷۵ ج ۲، علامہ سبکیؒ شرح منھاج میں، علامہ شوکانی ؒ نیل الاوطار ص ۲۹۴، ج ۳ پر، علامہ سیوطیؒ مصابیح ص ۹ پر یہی فرماتے ہیں، اُن کے نزدیک بھی یہ حدیث یاضعیف ہے یا منسوخ یا محمول بر تہجد۔

خلاصہ ابحاث :- حدیث جابرؓ سخت ضعیف ہے، اجماع صحابہ کے خلاف ایسی روایت جس کا مرکزی راوی بھی شیعہ ہو ہرگز قابلِ قبول نہیں، بشرط صحت یہ منسوخ ہے اور اجماع اُمت کو چھوڑ کر منسوخ پر عمل کرنا باطل ہے، یا مؤول ہے اور نماز تہجد کے بارہ میں ہے پھر بیس رکعت کی روایات کے معارض بھی نہیں اور اس پر مواظبت نبوی بھی ثابت نہیں تو سنیت کہاں سے ثابت ہوگی۔

الغرض نہ دلیل صحیح نہ دلالت صریح پھر احادیث صحیحہ اور اجماع اُمت کے خلاف ایسی روایات پر عمل کرنا غیر مقلدوں کا ہی کام ہے۔

آٹھ اور بیس رکعت کی مرفوع حدیث کا مقابلہ

ہمارے غیر مقلد دوستوں نے یہ شور وغوغا مچا رکھا ہے کہ بیس رکعات والی حدیث بالکل ضعیف ہے اور آٹھ رکعت والی حدیث (جابرؓ) بالکل صحیح ہے، اس قول کا وزن ملاحظہ ہو۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث کی سند میں صرف ایک راوی ابوشیبہ کو ضعیف کہا گیا ہے مگر اُس کے تدین اور حفظ وضبط کی تعدیل مفسر موجود ہے اس کے برعکس حدیث جابرؓ کی سند میں تین راوی ضعیف ہیں جن میں سے کسی ایک راوی کی بھی تعدیل مفسر پیش نہیں کی جاسکتی۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں ابوشیبہ نے کسی راوی کی مخالفت نہیں کی کیونکہ یہ گھر کا واقعہ ہے جو بغیر جماعت کا ہے، اِسے عبداللہ بن عباسؓ کے سوا کسی نے روایت نہیں کیا اور حدیث جابرؓ مسجد و جماعت کا واقعہ ہے، اس واقعہ کو بہت سے صحابہ نے روایت کیا ہے مگر راوی حدیث جابرؓ نے سب سے الگ ایک بات کا اضافہ کیا ہے پس یہ شاذ بلکہ منکر ہوئی۔

(۳) ذہبی اور ابن عدی نے دونوں حدیثوں کو مناکیر میں شمار کیا ہے مگر منکر دو معنوں میں آتا ہے، ثقہ کا مطلق تفرد یہ منکر مقبول ہے، حدیث ابن عباسؓ اسی قسم سے ہے کیونکہ اس کے راوی نے کسی ثقہ راوی کی مخالفت نہیں کی اس کے برعکس آٹھ رکعت کی روایت میں عیسیٰ بن جاریہ نے دوسروں کی مخالفت کی ہے پس وہ منکر مردود ہوئی۔

(۴) حدیث ابن عباسؓ میں کان یصلی ماضی استمراری کا صیغہ ہے جو بظاہر مواظبت کی طرف مشیر ہے اور حدیث جابرؓ میں لیلۃ کا لفظ ہے جو واقعہ حال اور عدم مواظبت پر دال ہے اور کسی فعل کے سنت ثابت کرنے کے لئے اُس پر مواظبت ثابت کرنا ضروری ہے۔

(۵) حدیث جابرؓ کے راوی حضرت جابرؓ خود آٹھ رکعت کو سنت نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ طریق ثانی حدیث جابرؓ کے تحت آرہا ہے مگر حضرت ابن عباسؓ سے کوئی یہ ثابت نہیں کرسکتا

کہ وہ بیس رکعت کو سنت نہیں مانتے تھے۔

(۶) حدیث ابن عباسؓ کے موافق بیشتر خلفائے راشدین اور جملہ صحابہؓ کا اجماع ہوا اور مواظبت ہوئی مگر آٹھ رکعت کی حدیث پر صحابہ نے قطعاً مواظبت نہیں فرمائی۔ الغرض حدیث جابرؓ بظاہر متروک قرار پائی اور حدیث ابن عباسؓ بالا جماع مقبول قرار پائی۔

(۷) صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ اور فقہاء ومحدثین نے بھی حدیث ابن عباسؓ کو ہی اپنا معمول بہا بنایا اور حدیث جابرؓ کو عملاً متروک کر دیا۔

(۸) اور حق تو یہ ہے کہ حدیث ابن عباسؓ پر عمل کرنے سے حضرت جابرؓ کی روایت پر بھی عمل ہو جاتا ہے مقابلہ کرنا ہی نہیں پڑتا اور حدیث جابرؓ پر عمل کرنے سے حدیث ابن عباسؓ متروک ہوتی ہے جو ساری امت کی معمول بہا ہے۔

الطریق الثانی لحدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عن جابرؓ قال جاء ابی بن کعبؓ [۱] الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللّٰہ انہ کان منّی اللیلۃ شیٔ فی رمضان قال وما ذاک یا ابی قال نسوۃ فی داری قلن انا لا نقرء القرآن فنصلی بصلوتک قال فصلیت بھن ثمان رکعاتٍ واوترت فکانت سنۃ الرضاء.

ولم یقل شئیاً رواہ ابو یعلی وقال الھیثمی اسنادہ حسن" (آثار السنن ص ۲۴۹ قلت لم اقف علی اسنادہ بل اوردہ الھیثمی فی مجمع الزوائد وعزاہ الی ابی لیلیٰ فلینظر اسنادہ (التعلیق الحسن ص ۲۴۹) وفی قیام اللیل ص ۹۲ سند ھذا الحدیث مثل حدیث السابق ای فی السند محمد

[۱] وفی موارد الظمان ص ۲۳۰ ، اخبرنا ابو یعلی حدثنا عبد الاعلی بن حماد النرسی (قال ابن معین وابو حاتم وابن قانع والدار قطنی ومسلمۃ بن قاسم والخلیل ثقۃ وقال لیس بہ باس وذکرہ ابن حبان فی الثقات تھذیب ص ۹۴ ج۶ (محصلہ) حدثنا یعقوب القمی حدثنا عیسی بن جاریۃ حدثنا جابر بن عبداللّٰہ قال جاء ابی بن کعب الخ

بن حمید الرازی وعبداللّٰہ بن یعقوب القُمی وعیسیٰ بن جاریۃ وفی مسند احمد ص ۱۱۵ ج۵ حدثنا عبداللّٰہ ثنا ابی حدثنا ابو بکر بن ابی شیبہ عن عبداللّٰہ بن محمد ثنارجل سماہ ثنا یعقوب بن عبداللّٰہ الاشعری ثنا عیسیٰ بن جاریہ عن جابرؓ عن ابی بن کعبؓ قال جاء رجل الی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللّٰہ عملت اللیلۃ عملاً قال ما ھو قال نسوۃ معی فی الدار قلن لی انک تقرأ ولا نقرء فصلّ بنا فصلیتُ ثمانیاً والوتر قال فسکت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال فراینا انہ سکوتہ رضاً بما کان وحدثنا عبداللّٰہ ثنی ابی حدثنا حجاج بن یوسف ثنا شبابۃ عن شعبۃ عن الاعمش عن ابی سفیان عن جابرؓ عن ابی بن کعبؓ ان النبی کواہ (مسند احمد ص ۱۱۵، ج۵) (یعنی حضرت ابی بن کعبؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آج رات میرے ساتھ ایک بات پیش آئی یعنی رمضان میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے ابیؓ! وہ کیا بات ہے؟ ابیؓ نے کہا، میرے گھر میں عورتیں تھیں انہوں نے کہا کہ ہم قرآن نہیں پڑھ سکتیں لہذا ہم آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گی۔ ابیؓ نے کہا کہ پس میں نے انہیں آٹھ رکعت اور وتر پڑھائے۔ تو یہ سنت رضا ہوئی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا اور کچھ نہیں فرمایا)

اس حدیث میں چند امور قابلِ بحث ہیں۔

امرِ اوّل:۔ اس کی سند میں قیام اللیل میں وہی محمد بن حمید رازی اور قُمی اور عیسیٰ بن جاریہ ضعیف ہیں اور مسند احمد میں محمد بن حمید رازی تو نہیں مگر ''رجل سماہ'' ہے یعنی نامعلوم آدمی ہے اور باقی وہی دونوں شیرقمی اور عیسیٰ یہاں بھی ہیں پس اصول حدیث کے اعتبار سے یہ حدیث نہایت ضعیف ہے ہیثمی کا اس کو حسن کہنا خلاف دلیل ہے۔

امر دوم:۔ یہ روایت تین کتابوں میں ہے مسند احمد میں تو سرے سے رمضان کا ذکر ہی نہیں ہے، ابویعلی کی روایت میں یعنی رمضان کا لفظ ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ فہمِ راوی ہے نہ کہ

روایت راوی، قیام اللیل میں فی رمضان کا لفظ ہے جو کسی راوی تحتانی کا ادراج ہے، جب اس حدیث میں فی رمضان کا لفظ ہی مندرج ہے تو اس کو تراویح سے کیا تعلق رہا۔

امر سوم:- ابویعلی اور قیام اللیل سے ظاہر ہے کہ یہ واقعہ خود ابی بن کعب کا ہے مگر مسند احمد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کسی اور شخص کا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ راوی اس واقعے کو کما حقہ ضبط نہیں کر سکے۔

امرِ چہارم:- پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ آٹھ رکعت پڑھنے والا کہتا ہے انه كان منى ليلة شئ اور يا رسول الله عملت الليلة عملاً اس سے معلوم ہوا کہ اُسی ایک رات اُس نے آٹھ پڑھی تھیں پہلے کبھی یہ عادت نہ تھی اسی لئے وہ کہتا ہے کہ یہ انوکھا کام میں نے آج رات ہی کیا ہے ورنہ آٹھ میری عادت نہیں نہ میں اُس کو سنت سمجھتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے ورنہ اگر آٹھ رکعت سنت ہوتی تو آپ خاموش کیوں رہتے، فرماتے تم گھبرا کیوں رہے ہو یہ تو سنت ہے، اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ عہد نبوی میں کوئی شخص بھی آٹھ رکعت تراویح کو سنت نہ سمجھتا تھا، آپ نے خاموش رہ کر آٹھ کے سنت نہ ہونے کی تقریر فرما دی جس سے کسی خاص حالت میں نفس جواز معلوم ہوا وہ بھی بعد میں اجماع صحابہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ختم ہو گیا۔

آٹھ رکعت تراویح سنتِ نبوی نہیں:- الحاصل حضرت جابرؓ کی یہ دونوں حدیثیں ہیں جو ضعیف اور منسوخ ہونے کے علاوہ شیعہ رواۃ کے تصرف سے بھی محفوظ نہیں ہیں پھر ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ فعلی مواظبت ثابت ہوتی ہے نہ تشریعی نہ تقریری جو ثبوت سنیت کے لئے ضروری ہے تو اب آٹھ کو سنت کہنا بالکل افتراء ٹھہرا اور طرفہ یہ کہ جب عہد صحابہ میں بیس رکعت پر اجماع ہوا تو حضرت جابرؓ نے بھی بیس پر سکوت فرمایا اور ابی بن کعب نے تو امام بن کر بیس پڑھائیں اور ساری عمر پڑھاتے رہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر یہ دونوں واقعے صحیح بھی ہوتے تو بوجہ عدم مواظبت سنیت کے ثبوت میں ناکافی تھے پھر ان کے خلاف اجماع ہو گیا اور ان کے راوی اجماع میں نصاً یا سکوتاً

شریک ہو گئے تو اب ان کے سہارے ساری اُمت کی مخالفت کرنا پرلے درجہ کی حماقت ہے۔

فصل یازدہم

عہدِ فاروقی اور آٹھ رکعت تراویح:

(۱)اخرج مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انه قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیم الداری ان یقوما بالناس باحدی عشرة رکعة. (یعنی حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت نماز پڑھائیں)

(۲) اخرج عبدالرزاق عن داؤد بن قیس وغیرہ عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید ان عمر بن الخطابؓ جمع الناس فی رمضان علی ابی بن کعب وتمیم الداری علی احدی وعشرین رکعةً. (یعنی حضرت عمرؓ نے رمضان میں لوگوں کو ابی بن کعب اور تمیم داری کے پیچھے اکیس رکعت پر جمع کیا۔)

(۳) اخرج ابو بکر بن ابی شیبة قال حدثنا یحییٰ بن سعید القطان عن محمد بن یوسف ان السائب اخبرہ ان عمرؓ جمع الناس علی اُبَی وتمیم فکانا یصلیان احدی عشرة رکعةً. (یعنی حضرت عمرؓ نے لوگوں کو ابی بن کعب اور تمیم داری پر جمع کیا اور وہ دونوں گیارہ رکعت پڑھاتے)

(۴) اخرج سعید بن منصور قال حدثنا عبدالعزیز بن محمد حدثنی محمد بن یوسف سمعت السائب بن یزید یقول کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب باحدی عشرة رکعة (سائب بن یزید کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے)

(۵) اخرج محمد بن نصر المروزی فی قیام اللیل من طریق محمد بن اسحاق حدثنی محمد بن یوسف عن جدہ السائب بن یزید قال

یصلی فی زمن عمر بن الخطابؓ فی رمضان ثلاث عشرة رکعةً(کله فی التعلیق الحسن ص ۲۵۰) (سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان میں تیرہ رکعات پڑھتے تھے)

امر اوّل:۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ کی تراویح کے راوی حسب ذیل ہیں: (۱)السائب بن یزید (۲) یزید بن رومان (۳) عبدالعزیز بن رفیع (۴) ابی بن کعب (۵) یحییٰ بن سعید (۶) محمد بن کعب القرظی ہیں یہ سب کے سب متفق ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بیس رکعت تراویح کا حکم دیا اور لوگ بیس رکعت تراویح ہی پڑھتے تھے سائب کے تین شاگرد ہیں (۱) یزید بن خصیفہ (۲) حارث بن ابی ذباب (۳) محمد بن یوسف ان نو راویوں میں سے آٹھ راوی بیس پر متفق ہیں، نواں راوی (محمد بن یوسف) دو باتوں میں باقی آٹھ سے مختلف ہے (۱) باقی کسی نے بھی قاریوں کی تعداد ذکر نہیں کی۔ محمد بن یوسف کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے دو قاری مقرر کئے (۱) حضرت ابی بن کعبؓ (۲) حضرت تمیم داریؓ (۲) تراویح کی تعداد گیارہ۔ تیرہ اور اکیس ذکر فرمائی ہے۔

امر دوم:۔ اس میں محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد ہیں (۱) امام مالکؒ (۲) یحییٰ بن سعید (۳) داود بن قیس وغیرہ (۴) عبدالعزیز بن محمد (۵) محمد بن اسحاق ان میں سے مؤخر الذکر دونوں ضعیف ہیں (تہذیب التہذیب ص ۳۵۴ ج ۶ ص ۴۶ ج ۹) داؤد بن قیس بیس روایت کرتا ہے۔

امام مالکؒ :۔ نے اگرچہ محمد بن یوسف سے گیارہ روایت کی ہیں مگر اُن کے ہم سبق داؤد بن قیس نے محمد بن یوسف سے بیس روایت کی ہیں، خود امام مالکؒ نے اپنے دوسرے اساتذہ یزید بن خصیفہ یزید بن رومان اور یحییٰ بن سعید سے بیس رکعت روایت کی ہیں اور امام مالکؒ نے خود بھی گیارہ رکعت والی روایت پر عمل نہیں فرمایا اور بیس والی روایت پر اس طرح عمل فرمایا کہ اُن کے چار ترویحوں میں ۱۶ نفل زائد کر کے ۳۶ رکعت پر عمل فرمایا جیسا کہ پہلے وضاحت سے لکھا جا چکا ہے۔

یحییٰ بن سعید نے یہاں گیارہ کا ذکر کیا ہے مگر دوسری سند میں بیس کا حکم روایت فرمایا ہے۔ اور دنیا میں کوئی شخص یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ یحییٰ بن سعید نے ایک دن بھی گیارہ رکعت پڑھی ہوں۔

الحاصل (۱) اس میں گیارہ رکعت کا ذکر جمہور کی روایت و اجماع کے خلاف ہے۔

(۲) خود اس کے راوی دوسری سندوں سے بیس روایت کرتے ہیں اور اُن پر عمل کرتے ہیں۔

(۳) گیارہ رکعت پر نہ اِس روایت کے راویوں نے عمل کیا اور نہ تیرہ سو سال تک کسی مسجد میں اس پر عمل ہوا، اِس لئے محدثین نے بالاتفاق اِس روایت کو نا قابلِ عمل قرار دیا ہے، دنیا کے تختہ پر کسی ایک محدث ایک فقیہ ایک مجتہد کا نام بھی پیش نہیں کیا جا سکتا کہ جس نے یہ کہا ہو کہ سب روایات کو چھوڑ کر اس روایت پر عمل کرو، میں اپنے غیر مقلد دوستوں کا منہ میٹھا کروا دوں گا اگر وہ کسی معتبر محدث یا مجتہد یا فقیہ سے بسند صحیح یہ ثابت کر دے یا بسندِ صحیح کسی ایک مسجد کا نام بتلا دے جس میں بیس پر اجماع ہونے کے بعد تیرہ سو سال تک آٹھ رکعت تراویح پڑھائی جاتی ہوں، میں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ انشاء اللہ العزیز وہ یہ ہرگز ثابت نہ کرسکیں گے اور اگر ثابت نہ کرسکے تو پھر اُن کو اس بات کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ اِس عدد پر عمل متروک ہے۔ محدثین نے اس روایت کے بارہ میں دو مسلک اختیار فرمائے ہیں (۱) ترجیح (۲) تطبیق۔

بیانِ ترجیح :-(۱) چونکہ یہ روایت تمام باقی روایات کے خلاف اور اجماع صحابہؓ و تابعینؒ و تبع تابعینؒ کے خلاف ہے ایسی روایت کو شاذ کہتے ہیں اگر راوی ثقہ ہو تو بھی بوجہ شذوذ ضعیف و نا قابلِ عمل ہے کیونکہ صحت حدیث کے لئے جس طرح ثقاہت رواۃ شرط ہے اسی طرح سلامتی شذوذ و نکارت سے بھی شرط ہے۔

(۲) باوجود شاذ ہونے کے یہ مضطرب ہے کیونکہ روایت میں گیارہ۔ تیرہ اور اکیس کے مختلف اعداد ہیں اور مضطرب حدیث ضعیف ہوتی ہے تو اصول حدیث کے اعتبار سے یہ روایت شاذ و مضطرب بلکہ منکر ٹھہری اس لئے قابلِ عمل نہیں۔

علامہ ابن عبدالبرؒ مالکی :- فرماتے ہیں ان الا غلب عندی ان قوله احدی عشرة وهم (یعنی میرا غالب گمان یہ ہے کہ اس کا قول "گیارہ" وہم ہے) (زرقانی ص ۲۱۵ ج ۱) راجح کے خلاف مرجوح پر عمل خرقِ اجماع ہے۔

بیانِ تطبیق :- بعض محدثین نے اس روایت کو دیگر روایت سے تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔

امام بیہقیؒ :- فرماتے ہیں ویمکن الجمع بین الروایتین فانهم کانوا یقومون باحدی عشرة ثم کانوا یقومون بعشرین ویوترون بثلاث (السنن الکبریٰ ص ۴۹۶ ج ۲) (یعنی دونوں روایتوں میں تطبیق ممکن ہے اور وہ اس طرح کہ پہلے گیارہ رکعت پڑھتے تھے اور پھر بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے)

علامہ قسطلانیؒ :- شرح بخاری میں فرماتے ہیں وجمع البیهقی بینهما بانهم کانوا یقومون باحدی عشرة ثم قاموا بعشرین واوتروا بثلاث وقد عدّوا ما وقع فی زمن عمر رضی الله عنه کا لاجماع (تعلیق الحسن ص ۲۵۰) (یعنی بیہقی نے دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا ہے کہ پہلے گیارہ پڑھتے تھے پھر بیس اور وتر تین۔ اور انہوں نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں پیش آنے والے اس واقعہ کو اجماع کی طرح شمار کیا ہے)

قال السیوطیؒ :- فی المصابیح وکان عمرؓ لما امر بالتراویح اقتصر اولاً علی العدد الذی صلاه النبی صلی الله علیه وسلم ثُمّ زاد فی آخر الامر (التعلیق الحسن ص ۲۵۰)

قال الشعرانیؒ :- فی کشف الغمة وکانوا یصلو نهافی اوّل زمان عمرؓ بثلاث عشرة رکعة وکان القاری یقرأ بالمئین بین الآیاتِ حتی کان الناس یعتمدون علی العصی من طول القیام وکان امامهم ابی بن کعبؓ وتمیما الداری رضی الله عنهما ثم ان عمرؓ امر بفعلها ثلاثاً وعشرین رکعة ثلث منها وترو استقر الامر علی ذالک فی الامصار (التعلیق الحسن

ص ۲۵۰) (یعنی حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانہ خلافت میں لوگ تیرہ رکعت پڑھتے تھے اور قاری صاحب مئین پڑھتا تو لوگ تھکاوٹ کی وجہ سے لاٹھیوں کا سہارا لیتے۔ان کے امام ابی بن کعب اور تمیم داری تھے ۔ پھر حضرت عمرؓ نے انہیں تیئس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھانے کا حکم دیا اور پھر معاملہ شہروں میں اسی پر ٹھہر گیا)

قاضی سلیمان بن خلف اندلسی المعروف بہ باجیؒ فرماتے ہیں۔"ویحتمل ان یکون عمر امرهم باحدى عشرة ركعة وامرهم مع ذلک بطول القراءة يقرأ القارى بالمئين فى الركعة لان التطويل فى القراءة افضل الصلوة فلما ضعف الناس عن ذلک امرهم بثلاث و عشرين علىٰ وجه التخفيف عنهم من طول القيام واستدرک بعض الفضيلة بزيادة الركعاتِ (كتاب المنتقىٰ شرح موطا ص۲۰۸ ج ۱) (یعنی اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اولاً حضرت عمرؓ نے انہیں گیارہ رکعات کا حکم دیا ہو اور اس کے ساتھ طویل قراءت کا بھی کیونکہ طویل قراءۃ افضل الصلوۃ ہے لیکن پھر جب لوگ کمزور ہو گئے تو ان کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے تیئس رکعات تراویح کا حکم دیا تاکہ طویل قیام سے بچ جائیں اور طویل قراءت کی کچھ فضیلت رکعات کی زیادتی سے حاصل ہو جائے۔)

خلاصہ :۔یہ تمام محدثین متفق ہیں کہ (۱) حضرتؓ کے آخری زمانہ میں بیس رکعت پر اجماع ہو گیا تھا اور تمام امصار میں یہی رائج ہوئیں (۲) گیارہ رکعت کا حکم حضرت عمرؓ نے واپس لے لیا اور بیس رکعت کا حکم دے دیا تھا البتہ اِس وجہ میں مختلف ہیں کہ پہلے گیارہ اور بیس کا حکم دینے کی کیا وجہ تھی، بعض یہ کہتے ہیں کہ پہلے گیارہ کا حکم دیا اور اُس میں قرأت بہت لمبی تھی اِس لئے پھر قرأت چھوٹی کر دی اور رکعات زیادہ کر دیں لیکن یہ روایت و درایت کے خلاف ہے۔

روایت کے خلاف تو اِس لئے کہ بیس رکعت تراویح کی روایات پر نظر ڈال لو صاف طور پر

موجود ہے کہ بیس رکعات میں بھی قرأت لمبی پڑھتے تھے اور شدت قیام کی وجہ سے عہد عمر وعثمان رضی اللہ عنہما میں لاٹھیوں پر سہارا لگاتے تھے، جب بیس میں بھی تطویل قرأت کا یہ حال تھا تو تخفیف کب ہوئی جس پر زیادت رکعات کی بنیاد رکھی گئی پس یہ وجہ غلط ہے۔

درایت کے اس لئے خلاف ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی تعلیم میں ذرہ برابر زیادتی کے روادار نہ تھے، کسی نماز کے متعلق یہ ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار رکعتوں کو انہوں نے آٹھ کر لیا ہو تو تراویح کے متعلق ایسے دُور دراز کار احتمالات کی کیا ضرورت ہے۔

دوسری وجہ :- سیوطیؒ نے یہ بیان فرمائی ہے پہلے آٹھ کا حکم دیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے پھر تراویح بڑھا دیں یہ بھی عقلاً ونقلاً غلط ہے کیونکہ جب صحابہ کرامؓ کو سنت نبوی معلوم ہو تو اُس پر زیادتی کو قطعاً برداشت نہیں کرتے تھے۔ نیز آٹھ رکعت کی جابرؓ کی روایت ہی صحیح نہیں اُس سے تو بیس والی ابن عباسؓ کی روایت زیادہ صحیح ہے۔ ہاں اگر علامہ سیوطیؒ کا یہ مطلب ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح آٹھ رکعت با جماعت اور بیس رکعت بلا جماعت مروی ہیں، حضرت عمرؓ نے جب جماعت شروع کی تو آٹھ رکعت کا حکم دیا کیونکہ آٹھ رکعت سے زیادہ کی جماعت ثابت نہ تھی اور پھر بیس رکعت ساری تراویح کو با جماعت پڑھنے کا حکم دیا اور اس پر سب صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو گیا تو البتہ درست ہے اور یہ عقل اور نقل کے مطابق بھی ہے کیونکہ ہر دو حکموں کا مبنیٰ حدیث نبوی ہو گی نہ محض کسی کی رائے پس اس تطبیق کی صورت میں بیس رکعت با جماعت پڑھنے والا حضرت عمرؓ کے بھی دونوں حکموں پر عامل ہو گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تمام احادیث پر عامل ہو گا۔ اور آٹھ پڑھنے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس رکعت والی حدیث کا بھی تارک ہو گا اور حضرت عمرؓ کے دونوں حکموں کا مخالف ہو گا کیونکہ پہلے حکم کو خود حضرت عمرؓ نے واپس لے لیا اور تمام اُمت نے اُس پر عمل ترک کر دیا تو عامل بالمنسوخ والمتروک ہو گا۔

التنبیہ لا یقاظ السفیہ :- مندرجہ بالا بحث سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ تمام اُمت کا

اتفاق ہے کہ گیارہ کے حکم پر مواظبت نہیں ہوئی بلکہ مواظبت بیس کے حکم پر ہوئی ہے پس بعض لوگوں کا اس روایت کی بنا پر گیارہ رکعت کو سنت فاروقی کہنا بالکل غلط ہے کیونکہ سنت کے لئے مواظبت ہونی ضروری ہے وھو غیر ثابت۔

تطبیق کی ایک اور صورت:۔ مگر میرے نزدیک اس کی تطبیق اور طرح ہو جاتی ہے جس سے اختلاف بھی ختم ہو جاتا ہے اور عقل ونقل کی مخالفت بھی لازم نہیں آتی وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے بیس رکعت روایت کی ہیں انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ بیس رکعت کتنے قاری پڑھاتے تھے اس روایت میں بتایا کہ دو قاری تراویح پڑھاتے تھے، کسی راوی نے ہر قاری کی علیحدہ علیحدہ روایت کردیں کسی نے دونوں کی ملا کر روایت کردیں اور چونکہ کبھی اُن میں سے ایک قاری پہلے پڑھاتا کبھی دوسرا اس لئے ہر راوی نے وتر کو ہر ایک کے ساتھ ذکر کر دیا پس گیارہ (1+10) ایک قاری کی ہیں اور تیرہ (3+10) دوسرے کی اور اکیس (20+1) یا 23 (3+20) دونوں کی ہیں پس پوری نماز تراویح بیس ہی ہوئی۔

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا:۔ ہمارے غیر مقلد دوستوں نے ایک مطالبہ بھی پورا کرتی دکھایا وہ یوں کہ جب بھی اُن سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ عہد فاروقی میں جب بیس پر اجماع ہو گیا تو اُس کے بعد تیرہ صدیوں تک کسی مسجد میں آٹھ رکعت باجماعت نہیں پڑھی گئیں اب انہوں نے سارا زور خرچ کر کے دو قول نکال لئے (۱) امام مالکؒ کا (۲) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں بعض لوگ گیارہ رکعت پڑھتے تھے مگر یہ دونوں قول بالکل بے سند ہیں۔

قول امام مالکؒ:۔ قال الجوزی من اصحابنا عن مالک انه قال الذی جمع علیه الناس عمر بن الخطابؓ احب الی وھو احدی عشرۃ رکعۃً وھی صلوۃ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال ولا ادری من این احدث ھذا الرکوع الکثیر (المصابیح ص ۱۰۸ تحفۃ الاحوذی ص ۷۴ ج ۲)

(۱) مالکیہ میں سے کسی نے یہ قول نقل نہیں کیا، اُنکی کتابیں اس کے ذکر سے خالی ہیں۔
(۲) امام مالکؒ اور تمام اہل مدینہ کا عمل ۳۶ رکعت پر تھا۔
(۳) عینی اور جوزی نے اس کو بلا سند ذکر کیا ہے، اگر غیر مقلدوں سے ہم اس کی سند کا مطالبہ کرلیں تو دِن کو تارے نظر آجائیں۔

اسی طرح عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد میں تراویح ۳۰ اور چالیس پڑھی جاتی تھیں جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں ،گیارہ کا ذکر بلا سند ہے پھر ہوسکتا ہے کہ وہ تہجد ہو لہٰذا ہمارا مطالبہ اب بھی اُن کے سر پر قائم ہے۔

آٹھ رکعت تراویح کی شرعی حیثیت:۔

ابحاث بالا سے امورذیل روزِ روشن کی طرح ثابت ہو گئے۔
(۱) آٹھ رکعت تراویح سنت نبوی نہیں کیونکہ حدیث جابر اگر صحیح بھی ہو اور تراویح کے متعلق بھی ہو تو پھر بھی اُس سے مواظبت ثابت نہیں ہوتی جو ثبوتِ سنیت کے لئے ضروری ہے۔
(۲) آٹھ رکعت تراویح سنت خلفاء بھی نہیں نہ سنت صحابہ ہے کیونکہ اثرِ فاروقیؓ اگر صحیح ہو اور اُس کا وہی مطلب لیا جائے جو ہمارے کرم فرما لیتے ہیں تو پھر بھی اُمت کا اجماع ہے کہ اُس پر مواظبت نہیں ہوئی پس آٹھ رکعت نہ سنتِ نبویؐ ہیں نہ سنتِ صحابہؓ۔
(۳) صرف آٹھ رکعت کو سنت کہنا خرقِ اجماع ہے۔
(۴) آٹھ رکعت کی عادت گویا ایک گونہ بدعت کو رواج دینا ہے۔

فصل دوازدہم

مذہبِ حنفی اور آٹھ رکعاتِ تراویح:۔

ہمارے بعض غیر مقلد احباب عوام کو یہ باور کرانے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں کہ حنفی مذہب میں بھی آٹھ رکعت تراویح کو ہی سنت لکھا ہے اور ساتھ کتب معتبرہ کا لفظ بھی نقل

کر دیتے ہیں چونکہ ان لوگوں کا ہر اختلافی مسئلہ میں یہی شیوہ ہے کہ کتب مذہب سے اقوالِ شاذہ وغریبہ کا پلندہ اکٹھا کر دیتے ہیں اور مذہب کے اقوال صحیحہ رجیحہ مفتیٰ بہا کو تقیہ کے نیچے چھپا لیتے ہیں، نقلِ مذہب میں چوری کر کے پھر سینہ زوری سے اُس پر ڈٹ جاتے ہیں اور چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد کی مثال کو پورا کر دکھاتے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ نقلِ مذہب کا صحیح اصول یہاں لکھ دوں جس کو یاد کر کے ہوسکتا ہے کہ یہ نقلی چور اپنی چوری سے باز آئیں یا کم از کم ہمارے حنفی بھائی یہ اصول جان لینے کے بعد ان کے غوغائے بے جا سے پریشان نہ ہوں۔

طبقاتِ مسائل:۔ احناف کے مسائل تین قسموں پر تقسیم ہیں۔

(۱) ظاہر الروایت (متون):۔ یہ وہ مسائل ہیں جو امام صاحبؒ سے متواتراً ثابت ہیں اور یہی اصلِ مذہب ہیں۔ امام محمدؒ نے اِن کو چھ کتابوں میں جمع فرمایا اور پھر اصحابِ متون نے ان کو اپنی کتابوں میں لکھا، ہمارے غیر مقلد دوست بعض اوقات یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ اپنی معتبر کتابوں کے نام بتاؤ۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں المراد بالمتون المتون المعتبرة کالهداية والمختصر للقدوری وردالمختار والنقاية والوقاية والكنز والملتقى فانهاالموضوعة لنقل المذهب مما هو ظاهر الرواية بخلاف متن الفرر لملاخسرو ومتن التنوير للتمرتاشی الغزی فان فيهما كثير من مسائل الفتاوى (عقود رسم المفتی ص ۳۱ للعلامة الشامیؒ) المذهب الذی هو ظاهر الرواية (عقود رسم المفتی ص ۳۰)

(۲) مسائلِ نوادر:۔ یہ مسائل بھی اگر چہ صاحب مذہب کی طرف منسوب ہیں مگر متواتراً ثابت نہیں، اخبارِ آحاد سے بسندِ صحیح یا ضعیف یا بلا سند امام صاحبؒ کی طرف منسوب ہیں ان کے مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں (۱) ظاہر الروایت کے خلاف نہ ہوں کیونکہ احاد صحاح بھی متواترات کے مقابل واجب الترک ہوتی ہیں (۲) وہ قول مفتیٰ بہ ہو ان کا ذکر عام طور پر شر

وح میں ملتا ہے۔

(۳) نوازل یا فتاوٰی:- یہ مسائل صاحب مذہب سے نہ متواتراً منقول ہوتے ہیں اور نہ بسند آحاد بلکہ بعد میں کوئی واقعہ یا حادثہ پیش آیا اور صاحب مذہب سے خاص وہ جزئی منصوص نہ ملی تو امام صاحب کے اصول کے ماتحت اُس کا حکم مستنبط کر لیا گیا، یہاں شرط یہ ہے کہ وہ استنباط مذہب کے خلاف نہ ہو **اذلم یأذنوا فی الاجتهاد فیما خرج عن المذهب بالکلیة مما اتفق علیه ائمتنا لان اجتهاد هم اقوی من اجتهاده** (**عقود رسم المفتی** ص ۱۲) ان میں جو اقوال مفتٰی بہا جمہور ائمہ احناف کے نزدیک ہونگے وہ مذہب کہلائیں گے اور باقی غیر مفتٰی بہا اقوال شاذ وغیرہ ہوں گے۔

الحاصل:- احناف صرف اُن مسائل کے جواب دہ ہیں جو (۱) متونِ معتبرہ میں ہوں بشرطیکہ اُن میں سے کوئی مسئلہ بوجہ عرف حادث یا تغیر زمان وضرورتِ شرعی متروک نہ ہو (۲) شروح وفتاوٰی کے صرف وہ مسائل مذہب ہیں جو مفتٰی بہا ہوں مخالفِ مذہب اور اقوال شاذہ وغیرہ کو مذہب کہنا مذہب پر افتراء اور نقل مذہب میں خیانت ہیں۔

عود الی المقصود:- (۱) ہمارے متون معتبرہ میں بیس رکعت تراویح منقول ہیں اور اُس میں کوئی اختلاف منقول نہیں اور بیس سے کم یا زیادہ کا قطعاً ذکر نہیں پایا جاتا۔

(۲) مسائل نوادر میں بھی کوئی ضعیف سے ضعیف قول صاحب مذہب کی طرف سے آٹھ رکعت تراویح کے سنت ہونے کا منقول نہیں ہے۔

(۳) فتاوٰی میں کسی مُفتی نے صرف آٹھ رکعت تراویح کو مفتٰی بہا مذہب قرار نہیں دیا۔

مطالبہ:- ہم اپنے غیر مقلد احباب سے پُر زور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ امام اعظمؒ سے منقول ظاہر الروایت سے یا جمہور فقہاء احناف کے مفتٰی بہا قول سے آٹھ رکعت کا سنت ہونا دکھادیں ورنہ دونہ خرط القتاد۔

شیخ الاسلام محققؒ ابن ہمامؒ اور رکعاتِ تراویح

شیخ الاسلامؒ نے تراویح کی رکعات کی بحث کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) مذہب حنفی بیس رکعت تراویح کو سنت مانتا ہے۔

(۲) خلفائے راشدین سے بیس رکعت تراویح پر مواظبت ثابت ہوئی ہے اس لئے بیس رکعت سنتِ خلفاءِ راشدین ہے۔

(۳) آٹھ رکعت تراویح پر عہدِ خلفائے راشدین پر مواظبت واستقرار ثابت نہیں ہوا۔

(۴) رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت پڑھی ہیں اور خلفاء کی سنت بیس رکعت ہے اِس لئے آٹھ رکعت سنت ہیں اور بیس رکعت مستحب۔

(۵) بیس رکعت پڑھنے میں سنتِ نبوی اور سنتِ خلفاءِ راشدین دونوں ادا ہو جاتی ہیں۔

غیر مقلدین نے پہلی خیانت تو یہ کی کہ مذہب حنفی کے خلاف علامہ ابن ہمامؒ کا ایک قول نقل کیا اصل مذہب اور اقوال مفتیٰ بہا کو چھوڑ کر شاذ اقوال کو نقل کرنا نقلِ مذہب میں زبردست خیانت ہے، دوسری خیانت یہ کی کہ ابن ہمام کے قول کو بھی پورا نقل نہیں کیا جاتا نمبر۲ اور نمبر۳ کا تو غیر مقلد انکار کرتے ہیں اور نمبر۵ جو اُن کے قول کا خلاصہ ہے کہ بیس رکعت پڑھنے سے دونوں سنتیں ادا ہو جاتی ہیں نقل نہیں کرتے نہ اُسے تسلیم کرتے ہیں۔ نمبر۴ کو بھی نصف نقل کرتے ہیں کیونکہ غیر مقلدوں کو تو ابن ہمام کا قول تب مفید تھا کہ وہ یہ فرماتے کہ آٹھ رکعت تراویح سنت ہے اور بیس پڑھنا خلافِ سنت اور بدعت ہے۔

غیر مقلدوں کا دعویٰ تو یہ ہے کہ آٹھ رکعت تراویح ہی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت ہے اور بیس رکعت نہ سنت نبوی ہے اور نہ سنتِ خلفاءِ راشدین بلکہ بدعت ہے لیکن علامہ ابن ہمامؒ آٹھ کو سنت اور بیس کو سنت خلفاء و مستحب کہتے ہیں اور بیس پر عمل کرنے والے کو دونوں سنتوں پر عامل فرماتے ہیں۔

حضرت کا آٹھ کو سنت اور بیس کو مستحب کہنا جس طرح مذہب حنفی کے خلاف ہے اُس سے بہت زیادہ غیر مقلدوں کے خلاف ہے اسی لئے یہ بیچارے **لا تقربوا الصلوٰۃ** تو پڑھتے ہیں مگر انتم سکاری کو بالاؤ کار ہضم کر جاتے ہیں۔

علامہ ابن ہمامؒ کے قول کی بنیاد مندرجہ ذیل باتوں پر ہے:-

(۱) حدیث عائشہؓ تراویح کے متعلق ہے۔(۲) حدیث ابن عباسؓ ضعیف ہے۔(۳) حدیث جابرؓ صحیح ہے(۴) سنت صرف وہ فعل ہے جس پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مواظبت فرمائی ہو اور جس فعل پر خلفاء راشدین نے مواظبت فرمائی ہو وہ سنت نہیں بلکہ مستحب ہوتا ہے۔

الجواب:- حدیث عائشہؓ :- تراویح کے متعلق نہیں بلکہ تہجد کے متعلق ہے، اس کے متعلق میں کافی لکھ آیا ہوں۔ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں گیارہ رکعت جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث میں آئی وہ تہجد اور وتر کی نماز ہے جیسا کہ غیر رمضان کا لفظ اُس کا قرینہ صاف موجود ہے کیونکہ غیر رمضان میں تراویح نہیں ہوتی تراویح بیس رکعت ہیں اور اجماع صحابہ اس پر ہے الخ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص ۱۷۱ ج ۱) نیز فرماتے ہیں **قال ابن حجر اجمع الصحابة علیٰ ان التراويح عشرون ركعة وقال ابن عبدالبر وهو قول جمهور العلماء (فتاوىٰ دار العلوم ديوبند ص ۱۹۲ ج ۱)** (یعنی ابن حجر فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعات ہے۔ اور ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ یہی جمہور علماء کا قول ہے۔)

مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں اور آٹھ روایات کا جن روایات صحیحہ میں ذکر ہے وہ تراویح کے متعلق نہیں بلکہ تہجد کے متعلق ہیں البتہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اجماع سے بیس رکعت تراویح پڑھا جانا ثابت ہے اسی

لئے ائمہ اربعہ نے بیس سے کم تراویح کو اختیار نہیں کیا۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۲۳۹ ج ۳)

حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ:۔ فرماتے ہیں تراویح رمضان کی خصوصیات سے ہے۔۔۔۔لہذا معلوم ہوا کہ تہجد اور ہے جسکی مشروعیت حق تعالیٰ کے کلام سے ثابت ہوتی ہے اور تراویح اور ہے جس کی سنیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ تعامل اُمت نے دونوں میں فرق کیا ہے(وعظ روح القیام ص ۵۹، ۶۰)

الحاصل:۔ حدیث عائشہؓ تہجد کے متعلق ہے تراویح کے متعلق ہی نہیں اور روایت جابرؓ اگر بالفرض صحیح یا حسن بھی ہوتی تو پھر بھی اُس سے آٹھ رکعت کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ علامہ ابن ہمامؒ کے نزدیک بھی سنت کی تعریف یہ ہے **السنة ما واظبه النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بنفسه** اور حدیث جابرؓ واقعہ حال ہے جس سے مواظبت ثابت نہیں ہوتی۔تو آٹھ رکعت کو سنت کہنا جیسا جمہور اُمت کے خلاف ہے ایسا ہی خود علامہ ابن ہمامؒ کی تعریف کے بھی خلاف ہے۔

حدیث عبداللہ بن عباسؓ :۔ حدیث عائشہؓ کے معارض نہیں ہے اور جیسا کہ گذرا وہ صحیح یا حسن ہے اور حسن لغیرہ میں تو شبہ ہی نہیں ،مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بھی اُسے حسن لغیرہ کہتے ہیں (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۱۹۱ ج ۱) یہ حدیث ایک طرف تو اُن تمام احادیثِ عائشہؓ کے موافق ہے جن میں شدتِ اجتہاد ۔ شدمئزر ۔ اور احیائے لیل کا تذکرہ ہے پھر سنتِ خلفاءِ راشدین اور اجماع صحابہ اور تعامل جمہور اُمت سے مؤید ہے اور خود شیخ الاسلام علامہ ابن ہمامؒ فتح القدیر ص ۱۱۵ ج ا،ص ۱۴۴ ج ا،ص ۱۸۸ ج ا۔ میں فرماتے ہیں کہ حدیث ضعیف قرائن وتعامل سے صحیح ہو جاتی ہے، پس حدیث ابن عباسؓ کے متعلق علامہ ابن الہمامؒ کا یہ فرمانا **ان هذا الاثر ضعیف بابی شیبة ابراهیم بن عثمان متفق علی ضعفه مع مخالفته للصحیح** جس طرح خلافِ تحقیق ہے اسی طرح خود علامہ صاحب کے مسلمات کے بھی خلاف ہے پس آٹھ رکعت کو سنت نبوی کہنا صحیح نہیں ہے سنت نبوی تو تمام رات

عبادت کرتا ہے۔

سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ:- فرماتے ہیں واما عدد ركعات التراويح فقد جاء عن عمر على انحاءٍ واستقر الامر على العشرين مع ثلاث الوتر ويُعلم من موطا مالک انه خفف في القراءة وزاد في الركعاتِ بتنصيف القراءة وتضعيف الركعات وبعد ما تلقته الامة بالقبول لا بحث لنا انه كان ذلک اجتهاداً منه اوماذا ؟ ومن ادعى العمل بالحديث فاولىٰ له ان يصليها حتىٰ يخشىٰ فوت الفلاح فان هذه صلوة النبى صلى الله عليه وسلم في اليوم الآخر واما من اكتفىٰ بالركعات الثمانية وشذعن السواد الاعظم وجعل يرميهم بالبدعة فليرعاقبته (فيض البارى ص ۱۸۱ ج۳)

خلفاءِ راشدین کا تعامل اور مواظبت بھی سنت مؤکدہ ہے:

علامہ ابن ہمامؒ کا بیس رکعت کو مستحب کہنا دراصل اس بنیاد پر ہے کہ خلفائے راشدین کی مواظبت بھی مستحب ہے سنت مؤکدہ نہیں چنانچہ وہ سنت کی تعریف فتح القدیر میں یہ کرتے ہیں السنة ما واظبه بنفسه لیکن یاد رہے کہ یہ تعریف پوری نہیں ہے مذہب حنفی یہ ہے کہ :

(الف) وہ فعل جو آحاد صحابہ کرامؓ سے ثابت ہو وہ مستحب ہے کیونکہ آحاد صحابہ کرامؓ کے اتباع کی آپ نے ترغیب دی ہے مگر نہ تو اس پر کوئی خاص تاکید فرمائی اور نہ اس اتباع کے ترک پر کوئی وعید فرمائی۔

(ب) اگر کوئی فعل ایسا ہو کہ اس پر تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو گیا ہو اور اس پر مواظبت ثابت ہو جائے مگر تارک پر نکیر نہ کی گئی ہو تو وہ فعل سنت مؤکدہ ہوگا اگر نکیر تارک پر ہو تو واجب ہوگا۔ کیونکہ کتاب وسنت کی روشنی میں صحابہ کرامؓ معیار حق ہیں فان آمنو بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا وان تولوا فانما هم في شقاق. اُن کے اتباع میں ہی خدائی

رضا ہے والذین اتبعوھم باحسانٍ رضی اللّٰه عنهم و رضوا عنه. اُن کا راستہ چھوڑنے والے دوزخی ہیں ومن یتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولیٰ ونصله جهنم وساء ت مصیرا. الآیة آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یجتمع امتی علیٰ ضلالة ویداللّٰه علی الجماعة ومن شذ شذ فی النار اور فرمایا اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار (ابن ماجه) اور فرمایا ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم یأخذ الشاذة والقاصیة والناحیة وایّاکم والشعاب وعلیکم بالجماعة والعامة (احمد) اور فرمایا من فارق الجماعة شبراً فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه (احمد) اور فرمایا یداللّٰه علی الجماعة وان الشیطان مع الفارق الجماعة یرکض (مسلم) اسی طرح آپ نے فرمایا فمن اراد ان یفرق امر هذه الامة ----فاضربوه بالسیف کائناً من کان (مسلم) اگر کوئی شخص اس بحث کو مفصل دیکھنا چاہے تو ازالۃ الخفاء کا مطالعہ کرے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تاکیدی احکام اور تارک جماعت پر دنیا میں تسلط شیطان کی وعید اور قتل کی سزا اور آخرت میں دوزخ کے عذاب کی سزا یہ ترک واجب پر ہی ہوتا ہے پس باحسن وجوہ ثابت ہو گیا کہ اجماع کا اتباع واجب ہے۔

(ج) خلفائے راشدین کی مواظبت بھی دیگر آحاد صحابہ کرامؓ سے زیادہ مؤکدہ ہے جیسا کہ میں پہلے علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین الحدیث کے تحت ذکر کر آیا ہوں۔ اب یہ حدیث صاف بتاتی ہے کہ خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء کے طریقہ کو سنت فرمایا ہے اور اُس کو پکڑنے کی تاکید فرمائی ہے سنت ہونا اور پھر اُس پر تاکید کا ہونا ہی سنت مؤکدہ کہلاتا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں جلد النبی صلی اللّٰه علیه وسلم اربعین وابوبکر اربعین وعمرؓ ثمانین وکل سنة (مسلم ص ۷۲ ج ۲) واتمها عثمانؓ ثمانین وکل سنة (معرفت علوم الحدیث ص ۱۸۱) صاحب ہدایہ تراویح کے باب میں ہی فرماتے ہیں والاصح انها سنة لا نه واظب علیه الخلفاء

الراشدون الخ ۔علامہ ابن ہمامؒ خود تحریر الاصول میں فرماتے ہیں قسم الحنفية العزيمة الى فرض ما قطع بلزومه وواجب ماظنّ وسنة الطريقة الدينية منه عليه الصلوة والسلام او الخلفاء الراشدين اوبعضهم (مجموعة الفتاوٰی ص ۱۱۹ ج ۱)
لیجئے اب خود ابن ہمامؒ کے نزدیک بیس تراویح سنت ہوگئیں کیونکہ وہ خود فرماتے ہیں۔
(الف) خلفائے راشدین نے بیس رکعت پر مواظبت فرمائی ہے (فتح القدیر)
(ب) جس پر خلفائے راشدین نے مواظبت فرمائی ہو اگرچہ بعض نے وہ سنت ہے (تحریر الاصول)
نتیجہ:- بیس رکعت تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ وهو المقصود والحمد لله على ذلك.
الانتباہ:- تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ اگر حدیث ابن عباسؓ بالفرض ضعیف ہی ہو یا اگر سرے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ضعیف روایت بھی بیس کی نہ ہوتی تو بھی اجماع صحابہ اور مواظبت خلفاء راشدین کی وجہ سے بیس رکعت تراویح سنت مؤکدہ ہی ہوتیں۔
مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "پس از ینجا دو مقدمہ پیدا شدند۔
اوّل:- اینکہ عشرون ركعة مما واظب عليه الخلفاء ولو تشريعاً ورضاءً
دوم:- وكُلُّ ما واظب عليه الخلفاء فهو سنة مؤكدة وازترتیب ایں ہر دو نتیجہ برآمد (۱) عشرون ركعة فى التراويح سنة مؤكدة (۲) وتارك السنة المؤكدة معاتب وملام برآمد تارك عشرين ركعة معاتب (مجموعة الفتاوٰی ص ۱۲۲، ۱۲۳ جلد اوّل)
قال ابو حنيفة رضى الله عنه يصلّى عشرين ركعة كما هو السنة (مبسوط سرخسی ص ۱۴۴ ج ۲)
سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ:- فرماتے ہیں اما فعل الفاروق فقد تلقاه الامة بالقبول واستقر امر التراويح فى السنة الثانية فى عهد عمرؓ كما فى تاريخ الخلفاء وتاريخ ابن اثير وفى طبقات ابن سعد انه كتب عمرؓ الى

بلادالاسلام ان یصلواالتراویح وقال ابن الھمام ان ثمانیة رکعة سنة مؤکدة وثنتی عشرة مستحبة وما قال بھذا احد" اقول ان سنة الخلفاء الراشدین ایضاً تکون سنة الشریعة کافی الاصول ان السنة سنة الخلفاء وسنته علیه السلام وقد صح فی الحدیث علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین فیکون فعل الفاروق الاعظم ایضاً سنة (عرف الشذی ص ۳۳۵) علامہ ظفر احمد عثمانی مدظلہٗ:- فرماتے ہیں "قلت ھذا قول محدث خارق للاجماع فان الآئمة الاربعة المقتدی بھم فی الدین قد اختلفوا فی عدد رکعات التراویح المسنون علی قولین فالمسنون عند ابی حنیفة والشافعی واحمد عشرون رکعة وحکی عن مالکؒ ان التراویح ست وثلاثون رکعة کذافی رحمة الامة(ص۲۳) والامة اذااختلفوا فی مسئلةٍ فی ای عصر کان علیٰ اقوال کان اجماعاً منھم ان ما عداھاباطل ولا یجوزلمن بعدھم احداث قول آخر صرح به فی نورالانوار(ص ۲۲۳)وغیره من کتب الاصول ولا شک ان احداً من الائمةِ لم یقل بما قاله ابن الھمام بل اتفق کلھم علیٰ سنیة العشرین غیر ان مالکاً زاد علیھا ستة عشر أخری ولم یذھب احد منھم الی النقص من عشرین فمن قال ان السنة منھا احدی عشرة رکعة والباقی مستحب فمحجوج باجماعٍ من قبله علی ان ما قاله ابن الھمام ساقط روایة ودرایة الخ (اعلاء السنن ص ۵۴ ج۷) پھر مکمل بحث کے بعد فرماتے ہیں "فلو کان احدی عشرة رکعة سنة والباقی من العشرین مستحباً کما زعمه ابن الھمام لنقل عن السلف العمل به وحیث لا فھو قول ساقط خارق للاجماع (اعلاء السنن ص ۹۴ ج۷)۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ:۔ فرماتے ہیں قال العلامۃ قاسم فی حق شیخہ خاتمۃ المحققین الکمال ابن الھمام لا یعمل بابحاث شیخنا التی تخالف المذھب (شرح عقود رسم المفتی ص۱۷)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ:۔ فرماتے ہیں کہ ابن ہمام کو مجتہد مقید کہنا صحیح وصادق ہے۔ پھر علامہ شامیؒ۔ علامہ مقدسی اور امام حصیریؒ سے اُن کا مجتہد ہونا نقل فرماتے ہیں تو جبکہ وہ مجتہد ہیں تو ان کی شان میں کہنا کہ یہ غلط ہے سوءِ ادب ہے لانہ انما تبع الدلیل المقبول وان کان البحث لا یقضی علی المذھب (شامی ص ۳۷۸ ج ۲ بحوالہ مجموعۃ الفتاوی مطبوعۃ لاھور ص ۱۴۸ ج ۳)

مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ: فرماتے ہیں'' جو لوگ آٹھ رکعت پڑھتے ہیں وہ تارک فضیلت سنت ہیں (فتاوٰی رشیدیہ ص۳۲۴)

غیر مقلدوں کو ایک سنت کے انکار کے لئے کتنے مسلمات کا انکار کرنا پڑا:

معزز ناظرین بیس رکعت تراویح کے سنت مؤکدہ ہونے پر اُمت کا اجماع ہو چکا ہے، چاہئے تو یہ تھا کہ اس سنت کو زندہ رکھ کر سو شہید کا ثواب لیا جاتا مگر ہمارے غیر مقلد دوستوں نے اس سنت کو مٹانے کے لئے قسم کھالی ہے، رمضان کے مہینہ میں اُن کا کوئی رسالہ کوئی اخبار، کوئی پریس اور کوئی واعظ ایسا نہیں ہوتا جو اس سنت کو مٹانے میں ساعی نہ ہو، اس ایک سنت کا انکار کرنے کے لئے ہمارے دوستوں نے کتنے ہی بادر ہوا دعوے کئے ہیں۔

(۱) نماز تراویح کا ہی سرے سے انکار کر دیا گیا کیونکہ ان دوستوں کے نزدیک تراویح کوئی نماز نہیں ہے صرف تہجد کا نام ہی رمضان میں تراویح ہے جس سے اُن تمام احادیث صحیحہ کا انکار یا تاویل باطل کرنی پڑی جن میں خاص تراویح کا ثواب وترغیب ہے۔

(۲) یہ ایک بے بنیاد دعوٰی کرنا پڑا کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو

کہ یہ رمضان المبارک میں تہجد سے نہ صرف محروم ہوئے بلکہ تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کو بدعت سمجھنے لگے، اِس طرح پوری اُمت کے تعامل کے خلاف ایک نیا محاذ بنالیا گیا۔

(۳) آٹھ رکعت کی لاج رکھنے کے لئے اُن تمام احادیث کا انکار کیا گیا جن میں یہ مصرح تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان المبارک کی عبادت غیر رمضان سے زیادہ ہوتی تھی۔

(۴) ساری اُمت نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو بیس رکعت تراویح پر جمع فرمایا اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں بھی مسجد نبوی بلکہ تمام مساجد میں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی تھیں، کسی محدث اور فقیہ نے اِس کا انکار نہیں کیا مگر غیر مقلدین نے نہایت شدّ ومد سے اس کا انکار شروع کر رکھا ہے۔

(۵) تمام اُمت کا اتفاق ہے کہ بیس رکعت پر عہدِ صحابہ میں اجماع ہو گیا تھا، اُمت کے فقہاء اور محدثین میں سے کسی نے اِس کا انکار نہیں فرمایا مگر غیر مقلدین نے اس کا بھی انکار کر دیا ہے۔

(۶) پوری اُمت کے محدثین اور فقہاء اِس بات پر متفق ہیں کہ خلفائے راشدین کے عہد میں آٹھ رکعت تراویح پر مواظبت استمرار واستقرار نہیں ہوا، پوری اُمت میں سے کسی محدث یا فقیہ کا کوئی ٹوٹا پھوٹا قول بھی آٹھ پر استقرار کا پیش نہیں کیا جا سکتا مگر غیر مقلدین نے عہد خلفاء میں بھی آٹھ رکعت کے استقرار ومواظبت کا دعوٰی کر دیا ہے اور آٹھ ہی کو سنت خلفاءؓ وسنتِ صحابہؓ کہنا شروع کر دیا ہے جس کا ثبوت وہ قیامت تک نہیں دے سکتے۔

(۷) پوری اُمت میں سے کسی نے آٹھ رکعت سے زیادہ عبادت کو بدعت نہیں کہا بلکہ پوری اُمت رمضان کو کثرت عبادت میں گذارتی رہی ہے لیکن غیر مقلدین نے اِس کو بدعت کہہ کر گویا پوری اُمت کو بدعتی اور گمراہ کہہ دیا ہے۔

(۸) لیلۃ القدر۔ عشرہ اخیرہ۔ لیلۃ البراءۃ وغیرہ سال کی مختلف راتوں کا احیاء احادیث میں ہے مگر غیر مقلدین ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ الحدیث کے تحت اِن راتوں میں بھی آٹھ رکعت سے زیادہ کو بدعت کہتے ہیں، اب جس کو قرآن حفظ نہیں وہ ساری رات آٹھ رکعت میں کیسے گذارے گا، الغرض بے شمار احادیث کا انکار کر دیا ہے اور

اگر وہ ان راتوں کو حدیث عائشہؓ سے مستثنیٰ قرار دیں تو رکعات تراویح و عبادتِ رمضان کیوں مستثنیٰ نہیں۔

(۹) پوری اُمت میں سے کسی ایک فقیہ اور محدث نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ بیس رکعت پڑھنے والا آٹھ کی سنت کا مخالف ہے مگر غیر مقلدین نے یہ نرالا پروپیگنڈہ شروع کیا ہے کہ بیس پڑھنے والا آٹھ رکعت والی روایات کا مخالف ہے۔

خلاصۃ الکلام:۔

(۱) رمضان المبارک میں رات کی عبادت کے متعلق رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنت یہ ہے کہ کثرت سے عبادت کرے، تمام رات بیدار رہے اور بستر کے قریب نہ آئے، آپ نے اِسی پر مواظبت فرمائی ہے۔

(۲) بیس رکعت تراویح سنتِ مؤکدہ ہیں، ان کو با جماعت ادا کرے جس طرح باقی مؤکدہ سنتوں میں کمی کرنا گناہ ہے مثلاً ظہر سے پہلے چار رکعت سنت مؤکدہ اُن کو دو نہیں پڑھ سکتا اگر چار کی بجائے دو پڑھے گا تو سنت مؤکدہ ادا نہ ہوں گی۔ اسی طرح بیس سے کم رکعات پڑھنے والا تارکِ سنت اور ثواب سنت سے محروم ہے۔

(۳) رمضان المبارک میں سحری کے وقت آٹھ رکعت تہجد بھی پڑھنا چاہئے تا کہ تہجد کی آٹھ رکعت والی روایات پر عمل ہو جائے اور تمام روایات پر عمل ہو جائے۔

(۴) جس طرح نماز ظہر مغرب عشاء کی سنت مؤکدہ کے بعد کوئی شخص جس قدر چاہے نفل پڑھے ثواب کا مستحق ہوگا اسی طرح بیس رکعت سنت مؤکدہ ادا کرنے کے بعد تنہا جس قدر نفل پڑھ سکتا ہے پڑھے۔

(۵) حضرت علیؓ کے اثر کے تحت اور امام مالکؒ کے مسلک کی تحقیق میں گذرا ہے کہ عہدِ صحابہ و تابعین و من بعدھم میں لوگ ہر چار رکعت تراویح کے بعد آرام کرتے تھے اُسے ترویحہ کہتے تھے اس میں اہل مکہ طواف کرتے تھے اور اہل مدینہ چار رکعت نفل تنہا پڑھ لیتے تھے اہل کوفہ

واہل بصرہ کے متعلق بھی ترویحہ کا بیان آیا ہے مگر وہ اس میں کیا کرتے تھے کچھ منقول نہیں،
پس یہ مستحب ہے، اس میں خواہ خاموش بیٹھے یا تسبیح پڑھے سب درست ہے۔
(۶) تراویح میں ایک قرآن پاک ختم کرنا بھی سنت ہے اس پر اگرچہ مستقل فصل اس رسالے میں ذکر نہیں کی تاہم بعض جگہ اشارات کر دیئے ہیں اور اس پر اُمت کا عمل متوارث ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک کو جس طرح پاروں میں تقسیم کیا گیا ہے اسی طرح رکوعوں میں بھی تقسیم کیا گیا ہے، سلف صالحین یہ کوشش کرتے تھے کہ قرآن پاک ستائیس کی رات کو ختم کر دیا جائے کیونکہ بعض احادیث سے لیلۃ القدر کا ستائیسویں رات ہونا ظاہر ہوتا ہے اس رات میں ختم قرآن اور لیلۃ القدر کی برکت نور علی نور ہے۔ اسی لئے قرآن کو کل ۵۴۰ رکوعوں میں تقسیم کیا گیا آپ جس فرقے کا قرآن بھی دیکھیں گے اُس میں رکوع ۵۴۰ ہی ہوں گے، کیونکہ جب تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھا جائے تو روزانہ بیس رکوع پڑھے جائیں گے اور ستائیس دن میں ۲۷x۲۰=۵۴۰ رکوع پورے ہو جائیں گے اس سے بھی معلوم ہوا کہ قرآنِ پاک اسی وقت ختم ہوگا جب تراویح بیس مانی جائیں کیونکہ اگر آٹھ تراویح ہوں اور رمضان تیس کا بھی ہو تو ۳۰x۸=۲۴۰ کل دوسو چالیس رکوع پڑھے جائیں گے جو نصف قرآن بھی نہیں بنتا۔

نماز تراویح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادران اہل سنت والجماعت! رمضان شریف کا مہینہ عالم روحانیت کا موسم بہار ہے۔ دن کو فرض روزہ رکھنا اور رات کو سنت تراویح ادا کرنا اس مبارک مہینہ کی مخصوص عبادت ہے۔ اس ماہ مبارک کی برکات میں سے یہ بھی ہے کہ اس میں ایک نفل کا ثواب فرض کے برابر اور ایک فرض کا ثواب ستر فرائض کے برابر کردیا جاتا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے: "بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر رمضان کے روزے فرض کئے ہیں اور میں نے تمہارے لئے اس میں قیام کو سنت قرار دیا ہے سو جس شخص نے رمضان میں روزے رکھے اور قیام کیا ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا نکل گیا جیسے کہ جس دن اس کو اس کی ماں نے جنا تھا" (نسائی ج ۱/ ص ۲۳۹)

آنحضرت ﷺ کا رمضان :

عن عائشة زوج النبی انها قالت کان رسول الله ﷺ اذا دخل شهر رمضان شد مئزره ثم لم يئات فراشه حتى ينسلخ (شعب الایمان للبیہقی ج ۳/ ص ۳۱۰)

رسول اقدس ﷺ کی اہلیہ محترمہ صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رمضان المبارک آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمرہمت باندھ لیتے اور اپنے بستر پر تشریف نہ لاتے یہاں تک کہ رمضان گزر جاتا۔ وعنها کان النبی ﷺ اذا دخل

رمضان تغیر لونہ و کثرت صلوٰتہ وابتہل فی الدعاو اشفق عنہ(شعب الایمان ج ۳/ص ۳۱۰) آپ ؓ ہی فرماتی ہیں کہ جب رمضان المبارک آتا تو رسول اللہ ﷺ کا رنگ بدل جاتا' آپ ﷺ بہت زیادہ نماز پڑھتے' خوب گڑگڑا کر دعائیں فرماتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے۔

آپ ﷺ کا آخری عشرہ :

یہ تو رمضان المبارک کے پہلے دو عشروں کا حال تھا کہ آپ ساری ساری رات نماز میں گزار دیتے لیکن جب رمضان کی آخری دس راتیں آتیں تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں کہ آخری دس دنوں میں آپ جو کوشش فرماتے وہ باقی بیس دنوں نے بھی زائد ہوتی (مسلم ج ۲/۲۷۳)اور دوسری روایت میں ہے کہ جب آخری عشرہ آتا آپ کمرہمت کس لیتے' خود بھی ساری رات بیدار رہتے اور ازواج مطہرات کو بھی جگاتے (بخاری ج ا/ص ۲۷۱) ... ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ رمضان المبارک میں خود بھی بکثرت عبادت فرماتے اور امت کو بھی بکثرت عبادت کی ترغیب دیتے اس لئے اس ماہ مبارک میں جتنی بھی زیادہ سے زیادہ عبادت ہوسکے پوری ہمت اور کوشش سے کرنی چاہئے' اس زائد عبادت کو بدعت دین کہنا دین سے جہالت کی انتہاء ہے۔اس کی مثال یوں سمجھیں کہ آنحضرت ﷺ نے مبارک زبان سے کثرت استغفار کی ترغیب دی۔ اب کوئی جس قدر بھی استغفار کرے گا وہ اسی حکم کی تعمیل ہوئی کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ آنحضرت ﷺ سے ایک حدیث میں روزانہ ۷۰ بار اور دوسری حدیث میں روزانہ ۱۰۰بار استغفار کا ذکر ملتا ہے اس سے زیادہ استغفار پڑھنا بدعت اور ناجائز ہے یہ دین سے انتہائی ناواقفیت کی بات ہوگی۔

باجماعت تراویح :

رسول اللہ ﷺ نے پوری زندگی میں صرف تین رات نماز تراویح باجماعت پڑھی اور پڑھائی (بخاری ص ۲۶۹/ج ا'مسلم ص ۲۵۹/ج ا) یہ تین راتیں آخری عشرہ کی تھیں ۲۳ ویں رات میں تہائی رات نماز تراویح پڑھائی' باقی رات تہجد میں مشغول رہے۔

پچیسویں رات آدھی رات تک نماز پڑھائی (باقی رات سوئے نہیں، تہجد میں گزار دی) ستائیسویں ساری رات نماز تراویح پڑھائی (جس سے تہجد بھی ادا ہو گئی کیونکہ تراویح تہجد کے وقت تک چلی گئیں (ابو داؤد ص ۱۹۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ رمضان المبارک میں (ایک رات) نماز پڑھ رہے تھے میں آیا اور آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا ایک دوسرے صاحب آئے وہ بھی ساتھ کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ ہم ایک گروہ بن گئے جب نبی علیہ السلام نے محسوس فرمایا کہ ہم لوگ آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہیں تو آپ ﷺ نے رکعتیں چھوٹی کر دیں اور حجرہ مبارکہ میں تشریف لے گئے وہاں آپ ﷺ نے وہ نماز پڑھی جو ہمارے پاس نہیں پڑھی تھی (مسلم ج ۱/ص ۳۵۲) اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے جو نماز صحابہ کے ساتھ ادا فرمائی وہ نماز تراویح تھی اور گھر جا کر جو نماز ادا فرمائی وہ تہجد تھی اس لئے حضرت فاروق اعظمؓ بھی تراویح کے بعد تہجد کی ترغیب دیا کرتے تھے کہ وہ نماز جس سے تم سو جاتے ہو (نماز تہجد) وہ افضل ہے اس نماز (تراویح) سے جو تم پڑھتے ہو (بخاری ج ۱/ص ۲۶۹) حضرت طلق بن علیؓ نے ایک مسجد میں نماز تراویح باجماعت پڑھائی پھر اپنی مسجد میں جا کر نماز (تہجد) باجماعت پڑھائی (ابو داؤد ج ۱/ص ۲۰۳) حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے بارہ میں بھی آتا ہے کہ آپ رمضان المبارک میں ۶۱ قرآن پاک ختم فرماتے۔ ایک قرآن دن کو روزانہ ختم فرماتے، دوسرا قرآن روزانہ رات کو تہجد میں ختم فرماتے۔ اس طرح ۶۰ قرآن مجید ختم ہوتے اور ایک قرآن لوگوں کے ساتھ نماز تراویح میں ختم فرماتے۔ اس طرح امت میں تراویح کے بعد تہجد پڑھنا متوارث عمل میں چلا آرہا ہے یہاں تک کہ فرقہ غیر مقلدین کے بانی میاں نذیر حسین دہلوی بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے (الحیاۃ بعد المماۃ ص ۱۳۸) سب سے پہلے چینیانوالی مسجد (لاہور) کے غیر مقلد امام عبداللہ چکڑالوی جو بعد میں منکرین حدیث کے بانی بنے انہوں نے ایک رسالہ "القول الفصیح" نامی لکھا جس میں تہجد اور تراویح کو ایک نماز قرار دیا۔ چونکہ مسلمانوں میں نئے نئے اختلاف پیدا کرنے سے نفس کو ایک طرح کی لذت حاصل ہوتی تھی اس لئے ہمارے غیر مقلد دوستوں نے اس اختلاف کو اپنا مذہب بنا لیا

اب وہ تہجد کی آٹھ رکعت پڑھ کر اسی کو تراویح اور اسی کو تہجد کہہ لیتے ہیں۔

دور رسالت :

عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹۴/ج ۲، مسند عبد بن حمید ص ۲۱۸) حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ رمضان المبارک میں بیس رکعتیں اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک میں ایک رات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر تشریف لائے اور صحابہ کرام ؓ کو ۲۴ رکعتیں (۴ عشاء کی اور ۲۰ تراویح کی) پڑھائیں اور تین رکعات وتر پڑھے (تاریخ جرجان ص ۲۷)

نوٹ : یہ بات یاد رہے کہ کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف اللہ تعالیٰ یا رسول پاک ﷺ نہیں فرمایا کرتے۔ محدثین اور فقہاء کا مسلمہ اصول ہے کہ جس حدیث پر امت کا عمل جاری ہو جائے تو وہ اس حدیث کے صحیح ہونے کی زبردست دلیل ہے۔

دور فاروقی و عثمانی ؓ :

حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ لوگ (صحابہ کرام ؓ) حضرت عمر ؓ کے دور خلافت رمضان المبارک میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے وہ لوگ تراویح میں تین سو تیس پڑھتے اور عہد عثمانی ؓ میں لوگ شدت قیام سے لاٹھیوں کا سہارا لیا کرتے تھے۔ (سنن کبریٰ بیہقی ج ۲/ص ۴۹۶) حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز تراویح سنت موکدہ ہے اور حضرت عمر ؓ نے اپنی انکل سے تراویح مقرر نہیں فرمائیں کیونکہ وہ بدعت کے ایجاد کرنے والے نہیں تھے۔ اس کی اصل یقیناً ان کے پاس رسول اقدس ﷺ سے ثابت تھی (مراقی الفلاح ص ۳۳۴)

دور علی المرتضیٰ ؓ :

حضرت علی ؓ بدعتی سے نہایت متنفر تھے۔ آپ خود روایت فرماتے ہیں کہ رسول

اقدس ﷺ فرماتے جس نے بدعتی کو مدینہ منورہ میں پناہ دی اس کا کوئی فرض ونفل مقبول نہیں۔ اس لئے آپ ؓ نے نماز عید سے پہلے نفل پڑھنے والے کو سختی سے منع فرمایا مگر جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو قاری صاحبان کو بلا کر حکم دیتے کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائیں (بیہقی ص۴۹۶/ ج ۲) حضرت ابوالحسناء سے مروی ہے کہ حضرت علی ؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحات یعنی بیس رکعات تراویح پڑھایا کرے (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲/ ص ۲۹۳)۔ مدینہ طیبہ میں حضرت عمر ؓ، حضرت عثمان ؓ اور حضرت علی ؓ کے مبارک ادوار میں بیس تراویح ہی پڑھی پڑھائی جاتی تھیں۔ آج بھی مدینہ منورہ میں بیس تراویح ہی پڑھی پڑھائی جاتی ہیں۔ حضرت عائشہ ؓ بھی مدینہ منورہ میں ہی اقامت پذیر رہیں۔ آپ ہی نے آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان روایت فرمایا کہ جس نے ہمارے اس امر (دین) میں بدعت نکالی وہ مردود ہے۔ اگر بیس رکعت تراویح بدعت و ناجائز ہوتیں تو حضرت عائشہ ؓ سالہا سال تک اس پر خاموش نہ رہتیں۔ حضرت جابر ؓ بھی مدینہ منورہ میں ہی اقامت پذیر رہے اور آپ ہی اس حدیث پاک کے راوی ہیں کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔ آپ کے سامنے تقریباً نصف صدی تک مسجد نبوی میں بیس رکعت تراویح باجماعت پڑھی جاتی رہیں لیکن آپ نے ان کے خلاف نہ کوئی اشتہار دیا نہ ہی بیس رکعت تراویح کو ناجائز قرار دیا۔

مکہ مکرمہ میں حضرت عطاء بن ابی رباح (م ۱۱۴ھ) فرماتے ہیں: ادرکت الناس وھم یصلون ثلاثۃ و عشرین رکعۃ بالوتر (ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳/ ج ۲) میں نے لوگوں (صحابہ و تابعین) کو نماز وتر سمیت ۲۳ رکعت پڑھتے پایا۔ اور امام ابن ابی ملیکہ (۱۱۷ھ) لوگوں کو مکہ میں بیس رکعات تراویح پڑھاتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳/ ج ۲) امام شافعی رحمہ اللہ (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں: میں نے اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھتے ہی پایا (ترمذی ص ۱۲۶/ ج ۱) اور آج تک مکہ مکرمہ میں بیس تراویح ہی پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں۔ کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے (مختصر قیام اللیل ص ۱۵۷) اور امام ابراہیم نخعی ؒ

(۹۶ھ) فرماتے ہیں کہ لوگ (صحابہؓ و تابعین رحمهم الله) رمضان المبارک میں پانچ تراویح (۲۰ رکعات) پڑھتے تھے۔ (کتاب الآثار ابی یوسف ص ۴۱)

بصرہ :

حضرت یونس رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن الاشعث کے (۸۳ھ) فتنہ سے پہلے جامع مسجد بصرہ میں دیکھا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ (م ۹۶ھ) حضرت سعید بن ابی الحسن (م ۱۰۰ھ) اور حضرت عمران العبدی لوگوں کو پانچ تراویح پڑھاتے تھے (قیام اللیل ص ۱۵۸ھ) الغرض پورے خیر القرون میں بیس رکعات تراویح کا انکار کرنے والا ایک شخص بھی نہیں تھا۔ نہ ہی کسی اسلامی حکومت میں اس کا انکار کیا گیا۔ اس کا انکار صرف دور برطانیہ کی ہی یادگار ہے۔

اجماع امت :

دور صحابہ کرامؓ میں جس طرح متعہ کے حرام ہونے پر اجماع ہوا لیکن غیر مقلدین نے اس کو اجماع نہیں مانا (دیکھو هدیة المهدی ص ۱۱۸/ج ۱) اور ایک دفعہ کی تین طلاقوں کے تین ہی شمار کرنے پر اجماع ہوا لیکن غیر مقلدین نے اس اجماع کو بھی نہیں مانا۔ اسی طرح اذان جمعہ پر عہد عثمانی میں اجماع ہوا مگر فتاویٰ ستاریہ میں اس کو بدعت قرار دیا گیا۔ اسی طرح بیس رکعات تراویح پر صحابہؓ کے متوارث عمل کو ابن قدامہ رحمہ اللہ حنبلی (۵۹۵ھ) نے المغنی ص ۱۶۷/ج ۲ پر اور علامہ قسطلانی الشافعی رحمہ اللہ (۹۲۳ھ) نے ارشاد الساری ص ۵۱۵/ج ۳ پر کالاجماع قرار دیا ملا علی قاری الحنفی رحمہ اللہ (م ۱۰۱۴ھ) نے شرح النقایة ص ۲۴۱/ج ۲ پر اور علامہ السید مرتضیٰ الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ) نے اتحاف السادۃ المتقین ص ۷۰۰/ج ۳ پر اس اجماع کو نقل فرمایا۔ اس اجماع سے بھی غیر مقلدین نے انحراف کیا۔

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ :

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت مذاہب اربعہ

میں منحصر ہیں۔ ان ائمہ اربعہ میں سے پہلے امام اعظم رحمہ اللہ (م ۱۵۰ھ) بھی بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں (قاضی خاں ص ۱۱۲/ ج۱) امام مالک رحمہ اللہ کا بھی ایک قول بیس رکعت کا ہے، دوسرا قول ۳۶ کا (جس میں ۲۰ تراویح اور ۱۶ نفل ہیں) (بدایۃ المجتہد ج۱/ ص۱۶۷) امام شافعی رحمہ اللہ بھی ۲۰ رکعت کے قائل ہیں (ترمذی ص ۱۶۶/ ج۱) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مختار قول بھی ۲۰ رکعت کا ہے (المغنی ج۲/ ص۱۶۷) مذاہب اربعہ کے متون فقہ میں سے کسی ایک متن میں بھی صرف آٹھ رکعت تراویح کو سنت اور اس سے زائد کو بدعت نہیں کہا گیا۔

آٹھ رکعت تراویح کا حکم :

حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ (۱۳۰۴ھ) فرماتے ہیں : تراویح میں بیس رکعات سنت موکدہ ہیں اس لئے کہ ان پر خلفائے راشدین ؓ نے مواظبت فرمائی ہے اور پہلے بتایا جاچکا ہے کہ خلفائے راشدین ؓ کی سنت بھی واجب الاتباع ہے اور اس کا چھوڑنے والا گنہگار ہے۔ لہٰذا جو شخص آٹھ رکعت پر اکتفاء کرے وہ برا کام کرنے والا ہے۔ کیونکہ اس نے خلفائے راشدین ؓ کی سنت ترک کردی ہے۔ اگر تم قیاس کے طریقے پر اس کی ترتیب سمجھنا چاہو تو یوں کہو کہ بیس رکعت تراویح پر خلفاء نے مواظبت فرمائی اور جس پر خلفائے راشدین ؓ مواظبت کریں وہ سنت موکدہ ہے۔ لہٰذا بیس رکعات بھی سنت موکدہ ہیں۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی ملاؤ کہ سنت موکدہ کا تارک گنہگار ہوتا ہے' لہٰذا بیس رکعت کا تارک بھی گنہگار ہوگا۔ (تحفۃ الاخیار ص ۲۰۹) مولانا کی اس بات کو یوں سمجھیں کہ نماز ظہر سے پہلے چار رکعت سنت موکدہ ہیں' اگر آپ ان چار موکدہ سنتوں کی جگہ دو رکعت پڑھیں تو آپ کا دل ملامت کرے گا کہ سنت موکدہ کا تارک ہوں۔ جو لوگ آٹھ رکعت پڑھ کر نکل جاتے ہیں وہ رمضان المبارک میں دو سنتیں روزانہ ضائع کرتے ہیں ایک تو بیس رکعت والی سنت ادا نہ ہوئی دوسرے تراویح میں ایک ختم قرآن بھی سنت ہے تو جو قرآن امام نے بعد والی ۱۲ رکعات میں پڑھا وہ بھی اس نے نہ سنا تو وہ سنت بھی فوت ہوگئی حالانکہ یہ ایسا بابرکت مہینہ ہے کہ جس میں نفل کا ثواب بھی فرض کے برابر ملتا ہے تو ایسے مبارک

مہینہ میں سنتوں کا ضائع کرنا کتنی بڑی بد قسمتی ہے۔ اس مبارک مہینے کو غنیمت سمجھیں۔ بیس رکعات تراویح میں پورا قرآن پاک سنیں اور سحری کے وقت نماز تہجد بھی ادا کریں۔ یاد رہے چاند رات سے ہر شب نماز تراویح کی جماعت شروع کرنا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں 'سنت خلفائے راشدین ؓ ہی ہے۔ پورا مہینہ باجماعت تراویح پڑھنا بھی سنت نبوی نہیں 'سنت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ہی ہے ان سنتوں کا حکم بھی بیس تراویح جیسا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو سنت کی پابندی کی توفیق دیں۔ (آمین)

مسنون نماز تراویح

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد!

حق تعالیٰ شانہ نے اپنے فضل و کرم سے رمضان المبارک کو عجیب بابرکت مہینہ بنایا ہے۔ یہ مہینہ گویا عالم روحانیت کا موسم بہار ہے۔ اس ماہ مقدس کی برکات کا اندازہ لگانا انسانی طاقت سے باہر ہے......... اس ماہ مقدس میں ایک نفل کا ثواب فرض کے برابر اور ایک فرض کا ثواب ستر ۷۰ فرائض کے برابر کر دیا جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ والے ان مبارک گھڑیوں کو غنیمت سمجھتے ہیں اور ایک لمحہ بھی ضائع نہیں ہونے دیتے کہ شاید آئندہ سال ہمیں یہ مقدس گھڑیاں نصیب ہوں یا نہ ہوں۔ اللہ والوں کے ہاں اس ماہ مقدس میں خوب چہل پہل رہتی ہے۔ ہمارے ہاں جامعہ خیرالمدارس ملتان میں تو حضرت فقیہ العصر مفتی محمد عبدالستار صاحب دامت برکاتہم کی سرپرستی اور مجاہد اسلام سیف بے نیام حضرت مولانا محمد عابد صاحب دام ظلہم کی محنت اور دیگر احباب کی شرکت سے عجیب سماں ہوتا ہے۔ اعتکاف ہے، تلاوت قرآن ہے، لاکھوں کی تعداد میں درود شریف کا ورد ہے، رات بھر نوافل ہیں، اصل میں اس مقدس مہینے کی قدر ان ہی حضرات کو ہے۔ یہ لوگ اس کی برکات سے جھولیاں بھرتے ہیں اور کمائی کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل :

عن عائشۃ ؓ کان رسول اللہ ﷺ اذا دخل شھر رمضان شد مئزرہ ثم لم یات فراشہ حتی ینسلخ (شعب الایمان للبیہقی ج ۲/ص ۳۱۰)

سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ رمضان المبارک کے شروع ہوتے ہی کمر ہمت کس لیتے اور جب تک رمضان المبارک گزر نہ جاتا آپ بستر پر تشریف نہ لاتے۔

عن عائشۃؓ قالت کان رسول اللہ ﷺ اذا دخل رمضان تغیر لونہ و کثرت صلوٰتہ وابتھل فی الدعاء واشفق منہ (شعب الایمان للبیہقی ج ۳/ص ۳۱۰) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رمضان المبارک آتا تو آپ ﷺ کا رنگ مبارک بدل جاتا اور آپ بکثرت نوافل پڑھتے۔ خوب گڑگڑ کر دعا کرتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے۔ اور آخری عشرہ میں تو آپ بہت ہی زیادہ مستعدی ظاہر فرماتے۔

عن عائشۃؓ قالت کان النبی ﷺ اذا دخل العشر شد مئزرہ واحیٰی لیلہ وایقظ اھلہ (بخاری ج ۱/ص ۲۷۱، مسلم ج ۱/ص ۳۷۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ آجاتا تو نبی علیہ السلام پوری پوری مستعدی ظاہر فرماتے، رات کو زندہ کرتے (ساری رات عبادت میں گزارتے) اور ازواج مطہرات کو بھی جگاتے۔

عن عائشۃؓ کان رسول اللہؐ یجتھد فی عشر الاواخر مالا یجتھد فی غیرہ (مسلم ج ۱/ص ۳۷۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں (عبادت میں) جتنی کوشش فرماتے، اتنی دوسرے عشروں میں نہ فرماتے۔

یہ ہے ہمارے پاک پیغمبر ﷺ کی رمضان المبارک کی عبادت کا حال جس کی کچھ جھلک آج بھی اللہ والوں کے ہاں ملتی ہے اور جامع مسجد خیر المدارس میں بھی اس کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

ایک المیہ :

رمضان کی خیر و برکت تو شروع سے آرہی ہے لیکن تقریباً ایک صدی سے رمضان کے مبارک مہینہ میں ایک المیہ کا ظہور بھی ہونے لگا ہے۔ ہمارے زمانہ کے جدید مدعیان بالحدیث کا سارا رمضان اس میں گزرتا ہے کہ رمضان المبارک میں غیر رمضان سے زیادہ

عبادت کرنا بدعت ہے گناہ ہے اور آخری عشرہ میں دوسرے عشروں سے دو ہر رکعت بھی زیادہ پڑھ لینا بدعت اور حرام ہے۔ پورا رمضان المبارک اسی عبادت سے روکنے میں گزرتا ہے ہزاروں اشتہارات، سینکڑوں رسالے اس عبادت کے خلاف چھپتے ہیں خود تو بے چارے رمضان المبارک کی برکات سے محروم ہیں دوسروں کو بھی ان بحثوں میں الجھا کر ان برکات سے محروم کرتے ہیں۔ ہزاروں اشتہارات کے نتیجہ میں اگر ایک آدمی کسی مسجد میں آٹھ تراویح پڑھ کر جماعت سے نکل جائے تو عید کی سی خوشی منائی جاتی ہے اس کو مبارک بادیاں دی جاتی ہیں گویا وہ نیا مسلمان ہوا ہے اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو جو بیس (۲۰) یا زائد تروایح پڑھتے ہیں بدعتی کہا جاتا ہے۔

عمل بالحدیث :

رمضان المبارک کی برکات سے محروم رہنے اور محروم کرنے کے عمل کا نام "عمل بالحدیث" رکھا ہے۔ آپ ان سے بات کریں تو وہ صاف کہتے ہیں کہ ہم نبی پاک ﷺ کے سوا کسی کو نہیں مانتے۔ ہم صرف اور صرف محمدی ہیں ہم نہ ابوبکری ہیں نہ عمری نہ حنفی نہ شافعی.....ہمارے ہر ہر عمل پر نبی پاک ﷺ کی مہر ہے---(۱) جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ساری عمر میں صرف اور صرف تین رات اور وہ بھی آخری عشرہ میں باجماعت تراویح پڑھائی ہیں اور بس۔ آپ لوگ جو چاند رات سے شروع کرکے ہر سال پورا ماہ نماز تراویح ادا کرتے ہیں یہ تو حدیث کے خلاف ہے۔ اس میں تو آپ محمدی نہیں ہیں؟ کیوں کہ اس پر مواظبت صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے نہ کہ نبی ﷺ سے۔ آپ زندگی بھر میں صرف تین رات جماعت سے تراویح پڑھ کر ساری عمر آرام سے گھر بیٹھیں تاکہ باقی لوگ سکون کے ساتھ رمضان المبارک کی برکات سے مستفید ہو سکیں---(۲) نیز آپ لوگ ہر سال پورا مہینہ مسجد میں نماز تراویح ادا کرتے ہیں یہ تو تمہارے اصول پر محمدی طریقہ نہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے تو (نماز تراویح کے آخری یعنی تیسرے دن) فرمادیا تھا۔

فصلوا ایھا الناس فی بیوتکم فان افضل صلوٰۃ المرء فی بیتہ الا الصلوٰۃ المکتوبۃ (بخاری ص ۱۰۱/ ج ۱، مسلم ص ۲۶۶/ ج ۱)

لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو بلا شبہ فرض نماز کے علاوہ آدمی کی اپنے گھر میں نماز بہتر ہے۔ (۳) اس نماز کا نام تراویح خود رسول پاک ﷺ نے رکھا ہے یا صحابہ کرامؓ نے؟ اس نماز کو تراویح کہنے والا محمدی ہے یا کچھ اور؟ (۴) آپ لوگ جو پورا مہینہ عشاء کے ساتھ ہی رات کے اول وقت میں نماز تراویح پڑھتے ہیں اس کا ثبوت بھی حدیث میں نہیں اس میں بھی نہ آپ محمدی رہے نہ اہل حدیث۔ (۵) آپ جو پورا ماہ رمضان المبارک نماز وتر باجماعت پڑھتے ہیں اس میں بھی آپ نہ محمدی ہیں نہ اہل حدیث۔ (۶) آپ ﷺ نے نماز تراویح میں خود نہ پورا قرآن ختم کیا' نہ ہی ختم کرنے کا حکم دیا۔ آپ کی بعض مساجد میں جو تراویح میں قرآن پاک ختم ہوتا ہے بلکہ بعض مساجد میں تو قرآن ختم کرنے کے لئے نماز میں قرآن اٹھا کر پڑھا جاتا ہے اس کی ورق گردانی ہوتی ہے اس عمل میں آپ حضرات نہ ہی محمدی رہے ہیں اور نہ ہی اہل حدیث۔ (۷) آپ جو سارا مہینہ آٹھ تراویح اور ایک وتر پڑھاتے ہیں ان ۹ رکعات کی بھی کوئی حدیث نہیں۔ (۸) آپ جب کہتے ہیں کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز کے دو نام ہیں' نہ تو اس پر آپ کوئی حدیث پیش کرتے ہیں اور نہ ہی آپ رمضان کے علاوہ گیارہ مہینے اس اہتمام سے تراویح پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ (۹) آپ جو کہتے ہیں کہ گیارہ مہینے یہ نماز نفل ہوتی ہے اور بارہویں مہینہ میں یہی نماز سنت موکدہ ہو جاتی ہے گیارہ مہینے اس کا وقت رات کا آخری حصہ ہے' بارہویں مہینے اول رات بھی اس کا وقت ہے گیارہ مہینے یہ گھر پڑھنی افضل ہے' بارہویں مہینے مسجد میں گیارہ مہینے یہ نماز اکیلے اکیلے پڑھنی افضل ہے' بارہویں مہینے جماعت سے۔ یہ باتیں آپ کی حدیث نفس سے ثابت ہیں نہ کہ حدیث رسول ﷺ سے۔ جب یہ باتیں حدیث رسول سے آپ ثابت نہیں کر سکتے تو نہ آپ محمدی رہے اور نہ اہل حدیث۔ ان ساری ۹ باتوں میں نہ آپ لوگوں کو حدیث رسول دکھاتے ہیں اور نہ لوگوں سے حدیث رسول ﷺ کا مطالبہ کرتے ہیں اگر بالفرض دسویں مسئلہ تعداد رکعات میں آپ کے پاس بیس رکعات تراویح کے بدعت اور حرام ہونے کی کوئی حدیث بھی ہوتی تو جب آپ ۹/۱۰ غیر محمدی اور ۹/۱۰ غیر اہل حدیث ہیں بلکہ ۱۰/۱۰ تو یہ عمل بالحدیث کا شور تو بالکل غلط نکلا' ہاں آپ کو عامل بحدیث نفس کہا جائے تو

بالکل بجا ہے۔(۱۰) آپ حضرات آٹھ رکعت تراویح باجماعت پورا مہینہ مسجد میں عشاء کے فوراً بعد کو جو سنت موکدہ کہتے ہیں اور بیس رکعات تراویح کو بدعت اور حرام کہتے ہیں۔ اس میں بھی آپ کے پاس کوئی حدیث نہیں بلکہ آج تک سنت موکدہ' بدعت' حرام' حدیث صحیح اور حدیث ضعیف کی جامع مانع تعریف بھی یہ لوگ قرآن و حدیث سے بیان نہیں کرسکے' ضرورت کے وقت امتیوں کے اصول فقہ یا اصول حدیث سے چوری کرلی جاتی ہے پھر بھی محمدی اور اہل حدیث ہی رہتے ہیں۔

بیس(۲۰) تراویح :

(۱) عن ابن عباس ؓ ان رسول اللّٰہ ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر (ابن ابی شیبہ ص ۲۹۴/ج ۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ رمضان میں بیس رکعت (تراویح) اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

(۲) عن جابر بن عبداللہ قال خرج النبی ﷺ ذات لیلۃ فی رمضان فصلی الناس اربعۃ وعشرین رکعۃ واوتر بثلاثۃ۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک میں ایک رات نبی علیہ السلام باہر تشریف لائے اور صحابہ کو چوبیس رکعت (۴ فرض اور ۲۰ تراویح) پڑھائیں اور تین وتر پڑھائے۔

ان دونوں احادیث کو اللہ تعالیٰ اور رسول پاک ﷺ نے نہ صحیح فرمایا ہے اور نہ ضعیف اس لئے غیرمقلد نہ ان کو صحیح کہہ سکتے ہیں اور نہ ضعیف' اب دیکھنا یہ ہے کہ امت کا اجماعی عمل ان پر ہے یا نہیں؟ پوری امت کا ان احادیث پر عمل ہے اور امت کا اجماع ہے کہ تلقی بالقبول سے حدیث صحیح ہو جاتی ہے۔

امر فاروقی :

(۳) عن یحیی بن سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلاً یصلی بھم عشرین رکعۃ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲/ص ۲۹۳) حضرت عمر بن خطاب ؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھائے۔

دور فاروقی :

(۴) وروی مالك من طريق يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد عشرين۔ حضرت سائب فرماتے ہیں کہ عہد فاروقی میں بیس رکعت تراویح تھیں اس کی سند بخاری شریف میں دو جگہ ہے۔

(۵) عن السائب بن يزيد قال كنا نقوم في زمان عمر بن الخطاب بعشرين ركعة والوتر (معرفة السنن والآثار) (بیہقی) حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔ نووی، سبکی، سیوطی نے اس کو صحیح فرمایا ہے۔

(۶) محمد بن كعب القرظي كان الناس يصلون في زمان عمر بن الخطاب رضي الله عنه في رمضان عشرين ركعة ويوترون بثلاث۔ محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ زمانہ فاروقی میں لوگ رمضان میں بیس تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے۔

(۷) عن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان عشرين ركعة ويوترون بثلاث۔ حضرت یزید بن رومان سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس تراویح اور تین وتر رکعات رمضان میں ادا کرتے تھے۔

(۸) عن الحسن ان عمر بن الخطابؓ جمع الناس على ابي بن كعبؓ فكان يصلي بهم عشرين ركعة (ابوداؤد ج ۱، ص ۲۰۲، سیر اعلام النبلاء ج ۱/ ص ۴۰۰) حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ پر جمع فرمایا اور وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔

(۹) عن ابي بن كعب ان عمر بن الخطاب امره ان يصلي بالليل في رمضان فصلى بهم عشرين ركعة (کنز العمال ص ۲۶۴/ ج ۸) حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مجھے حکم دیا کہ میں رمضان میں لوگوں کو تراویح

پڑھاؤں پس بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں۔

امام بیہقی ' علامہ باجی ' قسطلانی ' ابن قدامہ ' ابن حجر مکی ' طحطاوی ' ابن ہمام ' صاحب بحر رحمہم اللہ سب بالاتفاق فرمارہے ہیں کہ عہد فاروقی ؓ میں بیس تراویح پر ہی استقرار ہوا ' یہی متوارث ہیں۔ دور برطانیہ سے پہلے کسی ایک محدث یا فقیہ نے اس کاانکار نہیں فرمایا اور سنیت کے لئے مواظبت شرط ہے تو یہی بیس رکعت سنت فاروقی ہوئیں یہ حضرت عمرؓ وہی ہیں جن کے بارہ میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا اور فرمایا اللہ کے دین میں سب سے مضبوط عمرؓ ہیں۔ اگر بیس رکعت تراویح بدعت ہوتیں تو حضرت عمرؓ اور تمام صحابہ کرامؓ مہاجرین وانصار کا بدعتی ہونا لازم آتا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابی بن کعبؓ بیس تراویح مہاجرین وانصار میں پڑھاتے تھے۔ کسی ایک نے بھی اس پر انکار نہ فرمایا۔ (فتاویٰ ص ۱۱۲/ ج ۲۳)

عہد عثمانیؓ :

(۱۰) حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ عہد فاروقی میں لوگ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بھی لوگ لمبے قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر سہارا لیتے تھے (بیہقی ص ۲۹۶/ ج ۲) عہد عثمانی میں ایک اور صرف ایک مسلمان کا نام پیش نہیں کیا جاسکتا جو آٹھ تراویح پڑھ کے جماعت سے نکل جاتا ہو یا کسی ایک شخص نے بیس تراویح کو بدعت کہا ہو۔

دور مرتضویؓ :

(۱۱) عن ابی عبدالرحمٰن السلمی عن علیؓ قال دعی القراء فی رمضان فامر منهم رجلاً يصلی بالناس عشرين ركعة قال و كان علیؓ يوتر بهم۔ حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں قراء حضرات کو بلایا ان میں سے ایک کو بیس تراویح پڑھانے کا حکم دیا اور وتر کی جماعت خود حضرت علیؓ کراتے تھے۔ (بیہقی ج ۲/ ص ۴۹۶)

(۱۲) عن ابی الحسناء ان علیاً امر رجلاً ان يصلی بالناس خمس

ترویحات عشرین رکعۃ۔ حضرت ابوالحسناء فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو پانچ ترویحے بیس رکعت پڑھانے کا حکم دیا۔

حضرت علیؓ خود نبی علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں کہ جس نے بدعت ایجاد کی اس کا نہ فرض قبول ہے نہ نفل (بخاری ص ۱۰۸۴/ج ۲، مسلم ص ۴۴۲/ج ۱) اور حضرت علیؓ نے اذان کے بعد ایک موذن کو عشاء کے لئے تثویب کہتے سنا تو فرمایا اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو (بحرالرائق) اور ایک شخص کو عید گاہ میں نماز عید سے قبل نفل پڑھتے دیکھا تو اسے ڈانٹا۔ اگر بیس رکعت تراویح بدعت ہوتی تو اس کا حکم کیوں دیتے۔ دورِ برطانیہ سے پہلے کسی ایک محدث یا فقیہ کا نام پیش نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے دور مرتضویؓ میں بیس تراویح پڑھائے جانے کا انکار کیا ہو۔ کوئی شخص اس زمانہ میں ایک شخص کا نام پیش نہیں کر سکتا جو آٹھ رکعت پڑھ کر جماعت سے نکل جاتا ہو۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بیس رکعت والی نماز کا نام تراویح حضرت علیؓ نے بیان فرمایا، کسی خلیفہ راشد یا کسی ایک صحابی نے آٹھ رکعت کے ساتھ تراویح کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ پورے ذخیرہ حدیث میں کوئی ثبوت نہیں۔

(۱۳) عن زید بن وھب قال کان عبداللہ یصلی بنافی شھر رمضان فینصرف وعلیہ لیل قال الاعمش کان یصلی عشرین رکعۃ ویوتر بثلث (قیام اللیل ص ۱۵۷) حضرت زید بن وھب فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہم کو رمضان میں تراویح پڑھا کر فارغ ہوتے، ابھی رات ہی ہوتی تھی۔ امام اعمش فرماتے ہیں وہ بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ سنت پر اقتصار کرنا بدعت پر محنت کرنے سے بہت اچھا ہے (حاکم ج ۱/ص ۱۰۳)..... اگر ۲۰ رکعت تراویح بدعت ہوتی تو وہ کیوں پڑھاتے؟

جمہور صحابہ کرامؓ :

(۱۴) ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم ان الناس کانوا یصلون

خمس ترویحات فی رمضان۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ حماد سے وہ ابراھیم (۹۶ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک لوگ رمضان میں پانچ ترویحات بیس رکعات پڑھتے تھے۔ (کتاب الآثار ابی یوسف)

حضرت امام صاحب رحمہ اللہ نے بھی تراویح کا لفظ صرف اور صرف بیس رکعت کے ساتھ ہی روایت فرمایا ہے' آٹھ رکعت کے ساتھ کہیں روایت نہیں فرمایا۔

(۱۵) عن عبدالعزیز بن رفیع قال: کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث۔ عبدالعزیز بن رفیع فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ لوگوں کو رمضان میں مدینہ منورہ میں بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ج ۲/ص ۳۹۳)

(۱۶) عن عطاء قال: ادرکت الناس وھم یصلون ثلثۃ وعشرین رکعۃً بالوتر (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲/ص ۳۹۳) حضرت عطاء (۱۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں (صحابہ و تابعین) کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے ہی پایا۔

تابعین کرام رحمھم اللہ :

حضرت سوید بن غفلہ جو عمر میں آنحضرت ﷺ سے صرف تین سال چھوٹے ہیں وہ امامت کراتے تھے حضرت ابو الحضیب فرماتے ہیں۔

(۱۷) کان یومنا سوید بن غفلۃ فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعۃ۔ حضرت سوید بن غفلہ رمضان میں ہمیں باجماعت پانچ ترویحات (یعنی) بیس رکعات پڑھایا کرتے تھے۔ (بیہقی ج ۲/ص ۴۹۶)

(۱۸) عن ابی البختری انہ کان یصلی خمس ترویحات فی رمضان ویوتر بثلاث۔ حضرت ابو البختری سے مروی ہے کہ وہ رمضان میں پانچ ترویحات یعنی بیس رکعت اور تین وتر پڑھتے تھے۔

(۱۹) عن سعید بن ابی عبید ان علی بن ربیعۃ کان یصلی بھم فی رمضان خمس ترویحات ویوتر بثلاث (ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳/ج ۲)

حضرت سعید بن ابی عبید سے روایت ہے کہ علی بن ربیعہ پانچ ترویحات (یعنی بیس تراویح) اور تین وتر باجماعت پڑھاتے تھے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت کے ساتھ تراویح کا لفظ اور بیس تراویح کا عمل تابعین رحمہم اللہ میں بلا نکیر جاری تھا اور پورے خیر القرون میں ایک شخص کا نام بھی پیش نہیں کیا جا سکتا جس نے بیس تراویح پر انکار فرمایا ہو یا اس کو بدعت کہا ہو یا وہ آٹھ رکعت پڑھ کر جماعت سے نکل جاتا ہو۔ یا پورے خیر القرون میں کبھی آٹھ رکعت کے ساتھ کسی نے تراویح کا لفظ استعمال کیا ہو..... اس کا ہرگز ہرگز کوئی ثبوت نہیں۔

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ :

جب ائمہ اربعہ رحمہم اللہ نے دین کو مدون اور مرتب فرمادیا تو سب اہل سنت ان میں سے کسی ایک کی تقلید کرنے لگے۔ چنانچہ استاذ العلماء سید المحققین حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ علامہ ابن خلدون سے نقل فرماتے ہیں۔ "دیار وامصار میں انہیں ائمہ اربعہ پر تقلید ٹھہر گئی اور ان کے سوا جو امام تھے ان کے مقلدین ناپید ہو گئے۔ اور لوگوں نے اختلافات کے دروازے اور راستے بند کر دیئے اور چونکہ اصطلاحات علمیہ مختلف ہو گئیں اور لوگ رتبہ اجتہاد تک پہنچنے سے باز رہ گئے اور اس امر کا خوف پیدا ہوا کہ کہیں اجتہاد ایسے شخص کی طرف مستند نہ ہو جائے جو اس کا اہل نہ ہو یا اس کی رائے یا دین قابل وثوق نہ ہو' لہٰذا علمائے زمانہ نے اجتہاد سے اپنا عجز ظاہر کر دیا اور اس کے دشوار ہونے کی تصریح کر دی اور انہیں مجتہدین کی تقلید کے لئے جن کے لوگ مقلد ہو رہے تھے لوگوں کو ہدایت کرنے لگے اور چونکہ تداول تقلید (غیر شخصی) میں تلاعب ہے' لہٰذا کبھی ان کی اور کبھی ان کی تقلید کرنے سے لوگوں کو منع کرنے لگے اور صرف نقل مذاہب باقی رہ گئی اور بعد صحت صحیح اصول واتصال سند بالروایۃ ہر مقلد اپنے اپنے مجتہد کی تقلید کرنے لگا اور فقہ سے آج اس امر کے کچھ اور مطلب نہیں اور فی زمانہ مدعی اجتہاد مردود اور اس کی تقلید مہجوز ہے اور اہل اسلام ان ہی ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی تقلید پر قائم ہو گئے۔ (آثار خیر ص ۱۴۴)

اور یہ بات دوپہر کے سورج کی طرح واضح ہے کہ ائمہ اربعہ کے متون فقہ میں آٹھ رکعت

تراویح کا نام ونشان تک نہیں اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے متون فقہ کے کسی متن میں بیس رکعت تراویح کو بدعت یا حرام نہیں لکھا۔ اور صحابہ کرامؓ سے لے کر دور برطانیہ تک کسی اسلامی فرقہ کی ایک مسجد کا پتہ نہیں دیا جاسکتا کہ کبھی ایک سال بھی پورا مہینہ آٹھ رکعت تراویح پڑھی گئی ہو یا صحابہ کرامؓ سے لے کر دورِ برطانیہ تک ایک اور صرف ایک مسلمان کا نام بھی پیش نہیں کیا جاسکتا' جو آٹھ تراویح پڑھ کر جماعت سے نکل کر بھاگ جاتا ہو۔ معلوم ہوا کہ بیس تراویح ہی امت میں متوارث ہے۔

آٹھ رکعت :

آٹھ رکعت پڑھ کر لوگ جماعت سے نکل جاتے ہیں وہ رمضان المبارک کے مبارک مہینہ میں دو سنتوں کو پامال کرتے ہیں۔ آپ ان سے پوچھیں کہ ظہر کی چار موکدہ سنتوں کی بجائے آپ نے کبھی دو سنتیں پڑھی ہیں اور اگر کوئی پڑھے تو کبھی اس کا دل مانے گا کہ میں نے پوری سنت ادا کرلی ہے' ہرگز نہیں۔ اسی طرح بیس تراویح سنت موکدہ ہے۔ آٹھ رکعت پڑھنے سے سنت ادا نہیں ہوگی۔ اسی طرح نماز تراویح میں ایک قرآن پاک پڑھنا یا سننا سنت ہے' جو آٹھ رکعت پڑھ کر نکل جاتے ہیں وہ اس سنت سے بھی محروم رہتے ہیں۔

چند مغالطے :

جو لوگ اس سنت کے تارک ہیں' اور اس سنت کو مٹانے میں سارا زور علم و قلم خرچ کرتے ہیں وہ جن باتوں سے مغالطہ دیتے ہیں۔ ان کی پوری وضاحت تو اس مضمون میں ممکن نہیں اس کے لئے رئیس المناظرین عمدۃ المحققین حضرت مولانا خیر محمد جالندھری برد اللہ مضجعہ کے مضمون کا مطالعہ ضروری ہے جو آثار خیر ص۲۲۱ سے ص۲۷۹ تک ہے۔

مختصراً گزارش ہے کہ صحاح ستہ میں سے وہ ایک حدیث حضرت عائشہؓ کی پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ حدیث نمازِ تہجد کے بارہ میں ہے۔ تاریخ الخلفاء کے مطابق ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے تراویح کی جماعت شروع کرائی اور سیدہ عائشہؓ کا وصال ۵۷ھ میں ہوا۔

پورے بیالیس سال اماں جان کے حجرہ کے ساتھ متصل مسجد نبوی میں ۲۰ رکعت تراویح کی بدعت جاری رہی۔ اماں جان خود نبی علیہ السلام سے یہ حدیث روایت فرماتی ہیں کہ جس نے اس دین میں بدعت جاری کی وہ مردود ہے۔ (بخاری و مسلم) مگر یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ اماں جان نے بیالیس (۴۲) سال میں ایک دفعہ بھی اس تہجد والی حدیث کو بیس تراویح والوں کے خلاف پیش فرمایا ہو۔ اب دو ہی راستے ہیں یا تو یہ مان لیا جائے کہ اس حدیث کا تراویح سے کوئی تعلق نہیں۔ اماں جان یہی سمجھتی تھیں یا یہ مان لیا جائے کہ اماں جان اس حدیث کو بیس تراویح کے خلاف ہی سمجھتی تھیں لیکن ان کے دل میں سنت کی محبت اور بدعت سے نفرت اتنی بھی نہ تھی جتنی آج کل کے ان پڑھ غیر مقلد میں ہے' یہ تو رافضی ہی کی سوچ ہو سکتی ہے۔ ایک حدیث حضرت جابرؓ کی پیش کر کے مغالطہ دیتے ہیں اولاً تو وہ صحیح نہیں ہے۔ ثانیاً اس میں مواظبت کا ذکر نہیں جو سنیت کے لئے شرط ہے' ثالثاً حضرت جابرؓ کا وصال ۷۰ھ کے بعد مدینہ منورہ میں ہی ہوا اور کم از کم پچپن سال آپ کے سامنے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں بیس رکعت تراویح کی بدعت جاری رہی اور آپ نے خود زبان رسول ﷺ سے یہ ارشاد گرامی سنا تھا کہ شر الامور محدثاتہا و کل محدثۃ بدعۃ و کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار (نسائی) کہ سب سے برے کام بدعات ہیں' ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔ مگر پھر بھی کم از کم پچپن سال حضرت جابرؓ یہ بدعت دیکھتے رہے اور سنت کی حدیث آپ کے پاس تھی اس کو سب سے چھپایا' صرف عیسیٰ بن جاریہ کے کان میں سنائی جو ضعیف ہے اور اس نے یہ امانت ایک شیعہ یعقوب بن عبداللہ کو دے دی اور بس۔ حضرت جابرؓ کا بیس تراویح والوں کے خلاف اس حدیث کو پیش کرنا تو کیا ثابت ہو تا سرے سے یہ بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ جب سب لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے تو حضرت جابرؓ آٹھ پڑھ کر نکل جاتے۔ "ایاز قدر خویش بشناس" غیر مقلدین اپنی علمی اوقات کو پہچانیں۔ صحابہ کرامؓ سے بڑے علامہ بننے کے دعوے نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو سنت پر عمل اور اس کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائیں...... آمین۔

صلوۃ التراویح---ایک تحقیقی جائزہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا۔ امابعد : حضرت مولانا ابو یوسف مفتی محمد ولی درویش صاحب دام ظلہم نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن (کراچی) سے ایک رسالہ بنام "صلوۃ التراویح" ارسال فرمایا۔ اور فرمایا کہ اس رسالہ کے بارے میں موقر رسالہ "الخیر" میں مضمون آنا ضروری ہے۔ تو یہ مضمون اس رسالہ پر ایک نظر ہے۔ **(محمد امین صفدر)**

البانی :

یہ رسالہ البانی صاحب کا ہے جن کا تعارف یوں ہے "شیخ البانی جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی کے صدر مدرس ہیں۔ شیخ موصوف نسلی طور پر انگریز ہیں۔ آپ کا خاندان جب مسلمان ہوا تو حنفی مذہب اختیار کیا۔ شیخ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے علم و فضل میں کمال بخشا کہ اپنی تحقیق سے اہل حدیث ہو گئے۔ ملک شام میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کو علم حدیث میں خصوصاً اسماء الرجال میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ ممالک عربیہ میں آپ کی علمی قابلیت مسلم اور مشہور ہے کہ علم حدیث میں ان سے زیادہ تحقیق کسی کو نہیں (فتاویٰ علمائے حدیث ص۷۶ ج ۳) ہمارے غیر مقلد دوستوں کا مزاج خوارج والا ہے کہ اکابر کو گرانا اور اصاغر کو چڑھانا ان کا شیوہ ہے۔ اس نو مسلم البانی کا تعارف اس وقت تک نامکمل رہتا ہے جب تک کہ حضرت امام اعظمؒ، ان کے اصحاب و تلامذہ، ان کے تمام مقلدین جن میں ۹۹ فیصد سلاطین اسلام، ہزار ہا محدثین عظام، لاکھوں فقہاء کرام، ہزاروں صوفیاء

نظام، بزارہا قضاۃ اسلام کو غیر محقق ثابت نہ کیا جائے اور ان سب کے مقابلہ میں اس نو مسلم کو نہ چڑھایا جائے۔ یہ حب علی نہیں بلکہ بغض معاویہ کی غمازی ہے۔ حقیقت صرف اتنی ہے کہ یہ نو مسلم شذوذ پسند طبیعت و مزاج کا شخص ہے۔ اور خود رائی جس کو حدیث میں اعجاب کل ذی رای برایہ کہا گیا ہے کا مریض تھا۔ تو اہل سنت (جو صراط الذین انعمت علیھم کے مطابق رجال اللہ کی رہنمائی میں کتاب و سنت پر عمل کرتے ہیں) میں اس کا گزارہ کیسے ہو سکتا تھا۔ جس نے اکابر کی پگڑیاں اچھال کر اصاغر سے داد لینی ہو۔ چنانچہ یہ اہل سنت سے نکل کر غیر مقلد ہو گیا۔

اصل حقیقت :

اس میں شک نہیں کہ جھاگ جب اٹھتی ہے تو کتنے ظاہر بینوں سے داد وصول کر لیتی ہے مگر جب بیٹھتی ہے تو اصل حقیقت کھل جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ البانی کی اٹھان سے بہت سے ظاہر بین متاثر ہوئے۔ مگر محدث کبیر، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی کی دور بین نگاہیں اسی وقت اسے تاڑ گئیں کہ ایک شذوذ پسند آدمی ہے، آپ نے کئی حصوں میں "البانی و شذوذہ" تالیف فرمائی اور اس نو مسلم کی اسلاف بیزاری کو واضح کر دیا۔ پھر ایک حنبلی محدث اٹھے انہوں نے "تناقضات الالبانی الواضحات" کے نام سے کئی اجزاء تحریر کر کے اس نو مسلم کے علمی پندار کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ دیا۔ انہوں نے اصول میں اس کے تناقضات۔ اسماء الرجال میں اس کے تناقضات، احادیث کے صحیح و ضعیف ہونے میں اس کے تناقضات جمع کئے۔ پھر جب البانی نے یہ رسالہ تراویح پر لکھا اور بیس تراویح کو بدعت کہہ کر چودہ سو سال کے سب اہل سنت کو بدعتی قرار دیا تو اس کو سعودیہ سے نکال دیا گیا۔ غیر مقلدین نے اگرچہ اس کی مدح سرائی میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے مگر اس نے صحاح ستہ پر ہاتھ بڑھایا۔ سنن اربعہ کے تو علی الاعلان دو دو ٹکڑے کر ڈالے۔ صحیح ابو داؤد، ضعیف ابو داؤد، صحیح نسائی، ضعیف نسائی، صحیح ترمذی، ضعیف ترمذی، صحیح ابن ماجہ، ضعیف ابن ماجہ، اور اسی طرح صحیح مسلم پر بھی کافی اعتراضات کئے۔ جب صحاح ستہ کا یہ حشر کیا تو باقی کتب

حدیث کی عظمت کہاں باقی رہ گئی اور یہ کام ایک نو مسلم غیر مقلد ہی کر سکتا ہے۔

صلوۃ النبی ﷺ :

جب بھی کوئی نیا غیر مقلد بنتا ہے تو اس کا پہلا کام یہی ہوتا ہے کہ چودہ سو سال سے پڑھی جانے والی متواتر نماز کو غلط کہا جائے اور ایک نئی نماز 'غیر مقلدین کو دی جائے جو عملی تواتر سے ٹکراتی ہو۔ تاکہ روزانہ کم از کم پانچ دفعہ مسلمان آپس میں لڑیں اور ہر ہر مسجد کو میدان جنگ بنائیں۔ اس لئے اگر وہ صرف اردو ہی جانتا ہو تو اردو تراجم کو سامنے رکھ کر ایک نئی نماز مرتب کرتا ہے۔ کبھی اس کا نام صلوۃ الرسول رکھے گا کبھی صلوۃ النبی۔ کبھی پیارے نبی کی پیاری نماز۔ اس طرح یہ غیر مقلدین 'حنفی' مالکی 'شافعی' حنبلی سب کی نمازوں پر معترض ہیں اور ایک نئی نماز عوام کو دیتے ہیں۔ علامہ البانی نے بھی غیر مقلد ہو کر اپنا یہ فرض ادا کیا اور ایک کتاب بنام صفۃ صلاۃ النبی من التکبیر الی التسلیم کانك تراھا" لکھی اس کی وجہ تالیف یہی لکھی کہ آج تک (۱۳۷۶ھ) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پر کوئی صحیح اور جامع کتاب نہیں لکھی گئی۔ اس لئے اس نو مسلم کو یہ سردردی کرنا پڑی۔ تقریباً ۱۶۲ کتابوں سے مختلف ٹکڑے تلاش کر کے نماز نبوی ﷺ کا چولا تیار کیا۔ لیکن اس میں کمال یہ کیا کہ مذاہب اربعہ کے ساتھ ساتھ غیر مقلدین کی نماز کی بھی غلطیاں نکال ڈالیں۔ ان بے چاروں کا دین چار پانچ مسائل کا ہے۔ مثلاً قراءت خلف الامام 'جب سے غیر مقلد فرقہ بنا' بیسیوں کتابیں لکھ چکے ہیں کہ حدیث اذا قرأ فانصتوا۔ کہ جب امام قرآن پڑھے تم خاموش رہو" یہ حدیث ضعیف ہے مگر البانی نے اس کو صحیح تسلیم کر لیا۔ (صفۃ صلاۃ النبی ص ۹۵) حدیث من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ کہ جب امام قراءت کرے تو اس کی قراءت مقتدی کے لئے بھی قراءت ہے۔ آج تک سب غیر مقلد اس کے صحیح ہونے کا انکار کرتے تھے۔ مگر البانی نے اس کو صحیح تسلیم کر لیا (ص ۹۵) تو جس طرح خطیب کا خطبہ سب کی طرف سے ہوتا ہے کوئی شخص خطیب کے علاوہ خطبہ نہیں پڑھتا۔ خواہ اسے خطیب کا خطبہ سنائی دے یا نہ دے۔ یا کوئی خطبہ کے بعد آ کر جماعت میں ملے اس کی طرف سے بھی

خطبہ ہو گیا اسی طرح امام کی قراءت سب مقتدیوں کی طرف سے ہو گئی' خواہ کسی مقتدی کو قراءۃ سنائی دے یا نہ دے۔ خواہ کوئی رکوع میں ہی شامل ہو۔ اس کی رکعت بھی پوری شمار ہو گی۔ یہی ائمہ اربعہ کا اجماع ہے۔ اور غیر مقلدین جس حدیث کو لے کر ساری دنیا کے حنفیوں کو بے نماز کہا کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا جب میں جہراً قراءت کروں تو میرے پیچھے قرآن میں سے کچھ نہ پڑھنا مگر فاتحہ۔ اس کی نماز نہیں ہوتی جو یہ نہ پڑھے۔ البانی نے ص ۳ پر باقاعدہ عنوان دیا نسخ القراءۃ وراء الامام فی الجھریۃ۔ اس میں پہلے وہ حدیث لکھی کہ آپ ﷺ نے ۳ سورتوں کو امام کے پیچھے پڑھنے سے منع فرمایا۔ صرف فاتحہ کی اجازت دی پھر حدیث ابی ہریرہ ؓ فانتھی الناس سے سورت فاتحہ پڑھنے کو بھی منسوخ کر دیا۔ اب غیر مقلدین سے عرض ہے کہ وہ سوچیں اور ایک منسوخ حدیث کی بنا پر امت محمدیہ ﷺ کی نمازوں کو فاسد قرار دے کر مسلمانوں میں افتراق پیدا نہ کریں۔

نماز تراویح :

جب سے غیر مقلدین نے اس مسئلہ میں امت سے شذوذ اختیار کیا ہے' اس پر کئی رسالے لکھ چکے ہیں۔ مگر نہ کبھی اپنے دعویٰ کو سمجھے اور نہ دلیل اور دعویٰ کی موافقت کا کبھی خیال کیا۔ رسالہ پر البانی کا نام پڑھ کر خیال تھا کہ نو مسلم البانی کو غیر مقلدین پڑھا لکھا غیر مقلد خیال کرتے ہیں۔ اس نے ضرور دعویٰ اور دلیل کی مطابقت کا خیال رکھا ہو گا۔ مگر رسالہ پڑھ کر مایوسی ہوئی اور ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اگر اسے دلیل اور دعویٰ کی موافقت کی شدبد ہوتی تو وہ غیر مقلد بنتا ہی کیوں۔

جماعت تراویح :

البانی صاحب نے رسالہ پورا کرنے کے لئے آٹھ عنوان قائم فرمائے ہیں۔ پہلا عنوان ہے کہ نماز تراویح میں جماعت مستحب ہے۔ (ص ۹ تا ص ۱۴) مگر اس عنوان سے معلوم ہوا کہ البانی صاحب مسلک اہل حدیث سے واقف نہیں۔ "نماز تراویح کی تعریف میں علماء نے لکھا ہے کہ تراویح وہ نماز ہے جو ماہ رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد باجماعت پڑھی جائے

(فتاویٰ علمائے حدیث ص ۳۸۸ ج ۶) نماز تراویح میں جماعت بھی شرط ہے اگر اکیلے اکیلے پڑھیں گے تو تراویح نہ ہوگی (ایضاص ۲۴۳ ج ۶)۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیرمقلدین کے ہاں تراویح صرف رمضان میں عشاء کے فوراً بعد پڑھی جاتی ہے اور اس کے لئے جماعت شرط ہے لیکن البانی نے دور کی سوچی کہ اگر غیرمقلدین کا مسلک قبول کرلوں تو حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا کوئی تعلق تراویح سے نہ رہے گا۔ کیونکہ اس میں جس نماز کا ذکر ہے وہ خاص رمضان کی نماز نہیں۔ بلکہ وہ تو وہ نماز ہے جو رمضان اور غیر رمضان میں پورا سال پڑھی جاتی ہے۔ وہ تہجد ہے۔ پھر حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نماز گھر میں، آخر شب میں اکیلے ادا فرمائی نہ کہ جماعت سے اور تراویح کے لئے جماعت شرط ہے۔ البانی نے ان سب سے جان چھڑالی۔ حالانکہ البانی کا علمی فریضہ تھا کہ جب کتاب کا نام صلوۃ التراویح رکھا تھا تو پہلے تراویح کی تعریف بیان کرتا۔ پروفیسر عبداللہ بہاولپوری لکھتے ہیں "تراویح کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایجاد نہیں ہوا تھا۔ یہ نام اس وقت پڑا جب لوگوں نے قیام رمضان کی رکعتوں کی تعداد بڑھادی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تو آٹھ ہی کا تھا جس پر تراویح کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ ہر چار رکعت کے بعد ایک دفعہ آرام کرنے کو کہتے ہیں۔ آٹھ رکعت میں ترویحہ چونکہ ایک ہی ہو سکتا ہے۔ زیادہ ہو ہی نہیں سکتا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تراویح کا لفظ ایجاد نہیں ہو سکا۔ بعد میں جب رکعتوں کی تعداد آٹھ سے بہت بڑھ گئی اور کئی ترویحے ہونے لگے تو تراویح نام پڑ گیا۔ (رسائل بہاولپوری ص ۱۰۱ طبع اول) لیجئے اہل حدیثوں کے ہاں تو تراویح کا لفظ ہی بدعت نکلا۔ پروفیسر عبداللہ بہاولپوری کی یہ بات بہت صحیح ہے کہ "آٹھ رکعت کے ساتھ تراویح کا لفظ نہ حدیث مرفوع میں آتا ہے نہ حدیث موقوف میں۔" نہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت کو تراویح فرمایا نہ کسی صحابی نے۔ اگر دور نبوت اور دور صحابہ میں کوئی شخص آٹھ رکعت کے ساتھ لفظ تراویح دکھادے تو ہم مبلغ آٹھ لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔ ہے کوئی "مردمیدان!"

جماعت تراویح کے لئے البانی نے ثعلبہ بن ابی مالک القرظی کی حدیث بیان کی ہے اور کہا ہے کہ یہ مرسل حسن ہے اور پھر کہا ہے کہ ابو داؤد میں اس کا شاہد ہے حضرت ابو ہریرہ سے۔ امام ابو داؤد نے اس کے بعد لکھا ہے قال ابو داو دھذاالحدیث لیس بالقوی مسلم بن خالد ضعیف (ابو داؤد ا-۲۱۷) یہ عبارت علامہ البانی نے بیان نہیں فرمائی' جو ایک علمی خیانت ہے۔ اب یہ بھی دیکھو کہ مرسل روایت البانی کے اصول پر تو ضعیف تھی' اب حسن کیسے ہو گئی۔ پھر یہ حدیث صحیحین کی متفق علیہ حدیث کے خلاف ہے۔ "حضرت زید بن ثابت ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں چٹائی کا ایک حجرہ بنایا' اس میں چند راتیں نماز ادا فرمائی۔ یہاں تک کہ لوگ آپ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے۔ پھر ایک رات لوگوں نے آپ ﷺ کی آواز نہ سنی اور انہوں نے سمجھا کہ آپ ﷺ سو گئے ہیں۔ بعض لوگوں نے کھانسنا شروع کیا کہ آپ ﷺ باہر تشریف لائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا معاملہ (کثرت سے آنا) جو میں نے دیکھا اسی طرح رہا۔ یہاں تک کہ میں ڈر گیا کہ (یہ نماز) تم پر فرض نہ کر دی جائے اور اگر تم پر فرض کر دی جاتی تو تم ادا نہ کر سکتے۔ پس اے لوگو! اپنے گھروں میں (یہ نماز) پڑھو۔ بلاشبہ فرض نماز کے علاوہ آدمی کی اپنے گھر میں نماز بہتر ہے۔ (بخاری ص ۱۰۱ ج ا' مسلم ص ۲۶۶ ج ا) اس متفق علیہ حدیث میں ہے کہ یہ نماز (تراویح) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر پڑھنے کا حکم دیا اور اسی کو بہتر فرمایا۔ اس کے مقابلہ میں اس ضعیف حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کے حکم کے خلاف مسجد میں یہ نماز پڑھ رہے تھے ان کو اچھا کہا۔ غیر مقلدو! دل پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ کہ تم متفق علیہ حدیث کے موافق آئندہ گھر میں بلا جماعت تراویح پڑھا کرو گے یا البانی کی تقلید میں متفق علیہ حدیث کے خلاف مسجد میں باجماعت تراویح پڑھا کرو گے۔ اصل بات یہ ہے کہ پورا مہینہ باجماعت تراویح پڑھنا کسی صحیح حدیث میں نہیں۔ اس پر مواظبت نبی ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمائی ہے اور یہ سنت صحابہ رضی اللہ عنہم ہے' نہ کہ سنت رسول ﷺ۔ البانی نے جس طرح تراویح کی تعریف نہیں لکھی وہ سنت کی تعریف بھی نہیں لکھ

سکا۔

سنت کی تعریف :

کئی سال گزرے حضرت اقدس صاحب السیف مولانا بشیر احمد صاحب پسروری خلیفہ اعظم سلطان العارفین شیخ التفسیر قطب الارشاد حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس سرہما حیات تھے کہ مولوی محمد رفیق پسروری سے مناظرہ طے ہوا۔ انہوں نے اپنا دعویٰ یوں لکھا کہ ماہ رمضان میں آٹھ رکعت تراویح باجماعت سنت موکدہ ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ تراویح کی تعریف اور سنت موکدہ کی تعریف فرمائیں۔ لیکن صرف کتاب وسنت سے ' امتیوں کے اصول فقہ سے چوری نہ کرنا۔ ورنہ چوری کی سزا آپ کو معلوم ہی ہے اور آپ کا ایک ہاتھ پہلے ہی نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہمیشہ کیا ہو وہ سنت موکدہ ہے۔ میں نے کہا کہ یہ تعریف نہ جامع ہے اور نہ مانع۔ نہ ہی اس کا حوالہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔ میں نے سب لوگوں سے پوچھا کہ بھائی آپ سب جانتے ہیں کہ پنجگانہ نماز کے لئے اذان بالاتفاق سنت موکدہ ہے اور جماعت سے پہلے اقامت سنت موکدہ ہے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر میں ایک دفعہ بھی نہ خود اذان کہی نہ اقامت۔ مولوی صاحب کی تعریف کے مطابق نہ اذان سنت رہی اور نہ اقامت۔ دوسری بات یہ کہ آپ ﷺ فرائض خود ہمیشہ ادا کرتے تھے یا نہیں؟ سب کہنے لگے کرتے تھے' میں نے کہا اس تعریف کے موافق سب فرض بھی سنتیں بن گئے۔ بات بہت عام فہم تھی' لوگ سمجھ گئے کہ مولوی محمد رفیق کو نہ سنت کی تعریف معلوم ہے نہ فرض کی۔ اب مولوی محمد رفیق صاحب نے تین ماہ کی مہلت مانگی کہ مجھے تین ماہ کی مہلت دو تاکہ سنت موکدہ کی تعریف یاد کرلوں۔ چنانچہ مہلت دے دی گئی۔ لیکن تین ماہ تک وہ سنت موکدہ کی تعریف یاد نہ کرسکے۔ اس لئے مجبوراً پولیس کو کہہ کر مناظرہ بند کروادیا۔ اسی طرح جھنگ کے مناظرہ میں مولوی ارشاد الحق اثری نے کہا کہ آٹھ رکعت تراویح سنت موکدہ ہیں۔ میں نے کہا کہ تراویح کی جامع مانع تعریف کرواور سنت موکدہ کی ایسی تعریف کرو جیسے آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جو صحاح ستہ کی سب کتابوں میں ثابت ہے۔ بخاری ص ۳۵ ج ۱' مسلم ص ۱۳۳ ج ۱' ابوداود ص ۴ ج ۱' ترمذی ص ۹ ج ۱' نسائی ص ۱۱ ج ۱' ابن ماجہ ص ۲۶' مسند احمد ص ۳۸۲ ج ۵ یہ تو سنت موکدہ نہ بنے اور آٹھ رکعت تراویح باجماعت جس کا پوری صحاح ستہ میں کہیں نام نشان نہیں وہ سنت موکدہ بن جائے۔ جوتے پہن کر نماز پڑھنے کی حدیث جو متواتر ہے وہ تو سنت موکدہ نہ ہو اور آٹھ رکعت تراویح باجماعت جس کی ایک خبرواحد بھی صحیح نہیں وہ سنت موکدہ ہو جائے۔ اثری صاحب نہ تراویح کی تعریف کر سکے اور نہ سنت موکدہ کی۔ اور اعتراف کیا کہ مناظرہ میرے بس کا روگ نہیں اور اب البانی نے بھی سنت موکدہ کی تعریف نہیں لکھی۔ ثبوت سنیت کے لئے فیرلازم چیز پر مواظبت ضروری ہے اور باجماعت پوری تراویح پر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت ثابت نہیں کر سکتے۔ ہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مواظبت ثابت ہے اس لئے یہ سنت صحابہ رضی اللہ عنہم تو ہے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں۔ اہل سنت کا غیرمقلدین پر اعتراض تھا کہ حدیث متفق علیہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ بقول شما صحابہ کرام نے امر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پورا مہینہ جماعت تراویح پر مواظبت فرمائی۔ اب غیرمقلد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی متفق علیہ حدیث کو چھوڑ کر صحابہ کرام کے عمل پر کیوں عمل کرنے لگے۔ البانی صاحب پہلے عنوان میں اس اعتراض کا جواب دینا چاہتے تھے جس میں وہ سو فیصد ناکام رہے ہیں۔

نماز تہجد :

البانی نے منع سے پہلے کی احادیث نقل فرمائی ہیں کہ ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہائی رات تک تراویح باجماعت پڑھائی۔ دوسری رات دو تہائی رات تک۔ اس کے بعد البانی کا فرض تھا کہ وہ ثابت کرتا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح سے فارغ ہوتے ہی اعلان فرمایا تھا کہ اب تراویح پڑھ لی ہے تہجد نہ پڑھنا۔ کیونکہ یہ ایک ہی نماز ہے۔ بلکہ یہ ثابت ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تراویح پڑھیں۔ پھر آپ گھر میں داخل ہوئے وصلی صلوۃ لم یصلھا عندنا۔ اور وہ نماز پڑھی جو ہمارے ساتھ نہ پڑھی تھی۔

ظاہر ہے کہ صحابہ کے ساتھ آپ ﷺ نے تراویح پڑھی اور گھر جاکر دوسری نماز تہجد پڑھی۔ بے چارے البانی کو حدیث کی مشہور کتابوں کا بھی صحیح مطالعہ نہیں۔ اس حدیث کے بارے میں لکھتا ہے واضنه في صحيح مسلم فلينظر میرا گمان ہے کہ یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے۔ پس دیکھ لے۔ حالانکہ یہ حدیث صحیح مسلم ص ۲۵۴ ج ۱ پر یقیناً موجود ہے۔ الحاصل البانی نے نہ تراویح کی تعریف لکھی نہ سنت موکدہ کی اور غیر مقلدین جو پورا مہینہ مسجد میں تراویح پڑھتے ہیں' یہ سنت صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ سنت نبوی ﷺ ہرگز نہیں۔ یہ جو سارا مہینہ عشاء کے فوراً بعد اول شب میں تراویح پڑھتے ہیں یہ سنت نبوی ﷺ ہرگز نہیں۔ سنت صحابہ رضی اللہ عنہم ہے اور نماز تراویح ہمیشہ دو دو رکعت پر سلام پھیرنا بھی سنت نبوی ﷺ نہیں ہے۔ بلکہ سنت صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ البانی کے نزدیک تراویح' تہجد اور وتر ایک ہی نماز ہے۔ البانی ص ۸۶ پر ۱۳ رکعت کا طریقہ ۱۲ دو دو رکعت ایک الگ' دوسرا طریقہ کہ آٹھ رکعت دو دو پھر پانچ رکعت ایک سلام سے' تیسرا طریقہ دس دو دو رکعت پر سلام اور ایک الگ کل ۱۱' چوتھا طریقہ ۴ + ۴ + ۳ = ۱۱ پانچواں طریقہ ۹ رکعت ایک سلام سے پھر دو رکعت ایک سلام سے' چھٹا طریقہ ۷ رکعت ایک سلام سے اور دو ایک سلام سے کل ۹ رکعتیں' یہ چھ طریقے ص ۸۶ تا ۹۶ ذکر کئے ہیں جن سب کو غیر مقلدوں نے چھوڑ رکھا ہے۔ ان سب باتوں کو تشنہ چھوڑ کر البانی عدد رکعات کی طرف آگیا ہے۔

تعداد رکعات :

غیر مقلدین آٹھ رکعت تراویح پر زور لگاتے تھے مگر البانی کہتا ہے کہ تراویح گیارہ سے زائد تو جائز نہیں۔ ہاں گیارہ سے کم جائز ہیں۔ حتیٰ کہ ایک رکعت تراویح بھی سنت سے ثابت ہے اور سلف کا عمل ہے (ص ۱۰۸) اس کی بنیاد یہ ہے کہ تراویح' تہجد اور وتر ایک ہی نماز ہے۔ جب ایک رکعت پڑھ لی تو تراویح بھی ادا ہو گئی۔ تہجد بھی' وتر بھی۔ لیکن اس پر البانی کوئی دلیل نہ لاسکا کہ اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ تراویح' تہجد اور وتر ایک ہی نماز ہے اور ایک رکعت پڑھنے سے تینوں نمازیں ادا ہو جاتی ہیں۔ تمام

محدثین اور فقہاء نے تہجد' تراویح اور وتر کے الگ الگ باب باندھے ہیں۔

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا :

اس میں تہجد کی نماز کا ذکر ہے جو رمضان اور غیر رمضان میں پڑھی جاتی ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ ص ۱۵۴ ج ۱ پر لائے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان غیر رمضان میں تہجد پڑھتے تھے اور باب قیام رمضان ص ۲۶۹ ج ۱ پر بھی لائے ہیں تاکہ رمضان میں تہجد پڑھیں۔ خود امام بخاری بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔ امام مسلم ص ۲۵۴ ج ۱' ابو داؤد ص ۱۸۹ ج ۱' اور ترمذی ص ۹۹ ج ۱ تینوں باب قیام اللیل یعنی تہجد میں لائے ہیں اور امام ترمذی نے تراویح میں آٹھ رکعت کا ذکر تک نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ امام ترمذی کے دور تک نہ ہی کوئی آٹھ رکعت تراویح کا قائل تھا نہ اس حدیث کو تراویح کے متعلق سمجھتا تھا۔ امام مالک موطا ص ۱۰۲ اور امام نسائی نسائی ۲۴۸ ج ۱ پر اس کو وتر کے باب میں لائے ہیں۔ علاوہ ازیں قیام اللیل مروزی' مشکوۃ المصابیح' عبد الرزاق' ابو عوانہ' ابن خزیمہ' دارمی سب اس کو تہجد کے ذکر میں لائے ہیں اور اگر کوئی قیام رمضان کے باب میں لایا بھی ہے تو صرف اس لئے کہ رمضان میں بھی تہجد پڑھی جائے۔ الغرض اس حدیث کا تراویح سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ ہی اس کے مطابق غیر مقلد پڑھتے ہیں۔

حدیث جابر رضی اللہ عنہ :

رمضان میں ایک رات آٹھ رکعت اور وتر پڑھائے۔ یہ حدیث صحیح نہیں۔ البانی بھی یہی کہتا ہے۔ سندہ حسن بما قبلہ کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے اس کی سند حسن ہے۔ جب حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہی تراویح کے متعلق نہیں تو اس کی سند حسن بھی نہ رہی۔ پھر سنیت کے لئے مواظبت ضروری ہے۔ جو یہاں ثابت نہیں۔ اس کا راوی عیسیٰ بن جاریہ سخت مختلف فیہ۔ یعقوب القمی شیعہ اور امت کے عملی تواتر کے خلاف ہونے کی وجہ سے شاذ بلکہ منکر ہے۔ حدیث ابن عباس جو بیس رکعت تراویح میں مرفوع ہے اس کو ضعیف

ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور صحیح حدیث کی تعریف نہیں کی تاکہ راز فاش نہ ہو جائے۔ حافظ عبدالقادر روپڑی صاحب سے مناظرہ تھا' میں نے کہا کہ غیر مقلدین کو تو کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف کہنے کا حق ہی نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کی بات نہیں مانتے۔ اور اللہ و رسول ﷺ نے کسی حدیث کو نہ صحیح کہا ہے نہ ضعیف۔ جب اللہ اور رسول نے کسی حدیث کو نہ صحیح کہا نہ ضعیف تو امت یہ فیصلہ کیسے کرتی ہے اس میں خیرالقرون میں معیار صحت تعامل امت تھا۔ جس پر امت میں عمل جاری ہو گیا وہ صحیح ہے اور جو عملی تواتر کے خلاف ہوئی وہ شاذ ہے۔ یہی فطری اور صحیح طریق ہے۔ بعد کے محدثین نے بھی اس کو تسلیم کیا۔ المقبول ماتلقته الامة بالقبول وان لم یکن له اسناد صحیح (تدریب الراوی) جب عام لوگوں کی تلقی بالقبول سے حدیث صحیح ہو جاتی ہے تو بیس رکعت تراویح کو تو بقول ابن تیمیہ مہاجرین وانصار کی تلقی بالقبول حاصل ہے۔ اس کی صحت میں کیا شک یہ وہ تعریف ہے جو روپڑی' البانی بلکہ سب غیر مقلدین کو بھولی ہوئی ہے۔ ہاں جن احادیث کو تلقی بالقبول نصیب نہ ہو تو اس کے قبول کے لئے آٹھ باتیں ضروری ہیں چار راوی میں کہ راوی مسلمان ہو' عادل ہو' ضابط ہو' عاقل ہو اور چار روایت میں کہ خلاف کتاب اللہ نہ ہو' خلاف سنت مشہورہ نہ ہو۔ عموم بلویٰ سے متعلق نہ ہو۔ اور خیرالقرون میں متروک الاحتجاج نہ ہو۔ اس معیار پر بھی بیس کی حدیث صحیح ہے ابوشیبہ نہ صرف عادل تھا بلکہ اعدل تھا (تہذیب) وہ ضابط بھی تھا (فتح الباری میں الحافظ لکھا ہے) وہ مسلمان بھی تھا اور عاقل بھی تھا کہ واسط کا قاضی تھا اور اس کو تلقی بالقبول بھی حاصل ہے۔ اور حدیث جابر تو کسی معیار پر صحیح نہیں۔ نہ سند صحیح نہ حسن بلکہ تلقی بالقبول اور تواتر عملی کے مخالف ہونے کی وجہ سے شاذ ہے بلکہ منکر۔ پھر ہمارے مخالف بھی نہیں کیونکہ بیس میں آٹھ بھی شامل ہیں۔ البتہ آٹھ میں یقیناً بیس شامل نہیں۔ البانی نے یہ عنوان تو اس بات پر باندھا تھا کہ آٹھ رکعت تراویح کو سنت نبوی ﷺ ثابت کرے۔ مگر ثبوت سنیت کے لئے مواظبت ثابت کرنا ضروری تھا۔ خود البانی ص ۲۸ پر لکھتا ہے کہ چار رکعت

پر حضور ﷺ مواظبت نہ فرماتے اس لئے یہ مستحب ہیں البتہ دو رکعت سنت ہیں اور آٹھ کا ثبوت بھی نہ دے سکا چہ جائیکہ مواظبت ثابت کرتا۔

بیس تراویح کا حکم :

البانی نے ساری امت کے خلاف یہ موقف اختیار کیا کہ گیارہ رکعت سے زائد بدعت ہیں۔اب یہ نام نہاد اہل حدیث کے قیاسات ملاحظہ ہوں۔کہ بیس رکعت تراویح ایسی ہیں جیسے ظہر کے چار فرض کو پانچ یا ایک رکعت میں دو رکوع کر لئے جائیں۔کبھی بیس تراویح کو صلوۃ الرغائب پر قیاس کرتا ہے' کبھی یوں قیاس کرتا ہے کہ بیس تراویح ایسی بدعت ہے جیسے عیدین' نماز کسوف اور نماز تراویح سے پہلے اذان دینا (دیکھو ص ۳۲' ۳۳) لیکن ص ۳۵ پر جا کر لکھتا ہے "یہ وہم نہ کرنا کہ ہم (بیس رکعت پڑھنے والے) علماء سابقین اور لاحقین کو گمراہ یا بدعتی سمجھتے ہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے یہ گمان کر کے ہم پر طعن کیا ہے" معلوم ہوا البانی کے علم کا باوا آدم ہی نرالا ہے اس کے نزدیک ظہر کے ۵ فرض پڑھنے والے' ایک رکعت میں دو رکوع کرنے والے' صلوۃ رغائب پڑھنے والے' عیدین سے قبل اذان دینے والے نہ بدعتی ہیں نہ گمراہ ص ۳۶ پر لکھتا ہے کہ ان سے اجتہاد میں خطاء ہوئی اس لئے وہ اس خطا میں ماجور رہیں۔انسان جب پٹڑی سے اتر جاتا ہے تو اس کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ایک طرف تو ۲۰ تراویح کی مثال ظہر کے پانچ فرضوں سے دے رہا ہے دوسری طرف اس کو مسئلہ اجتہادی بتا رہا ہے۔کیا نص کے خلاف بھی اجتہاد کی گنجائش ہے۔کیا البانی کے نزدیک صلاۃ الرغائب والے بھی ماجور رہیں۔پھر ص ۳۸ اور ص ۳۹ پر کہ بیس تراویح پڑھنے والے دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جن کو شبہ ہے کہ بیس رکعت سنت ہیں۔یہ لوگ ماجور رہیں ایک وہ ہیں جو محض اتباع ہوئی میں بیس پڑھتے ہیں۔یہ گمراہ ہیں۔اس بارہ میں اس نو مسلم البانی نے جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے تفقہ فی الدین کی ہوا بھی نہیں لگی۔اس ناواقفی کے ساتھ تکبر میں یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ پوری امت کو بدعتی کہنے سے نہیں جھجھکتا۔اب مسئلہ کی اصل پوزیشن سمجھیں۔

مثال استغفار :

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استغفار کی قولاً ترغیب دی ہے۔ نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ تکثیر محبوب ہے۔اب ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عمل کو دیکھا تو ایک حدیث میں ملا کہ آپ ﷺ روزانہ ۷۰ مرتبہ استغفار کرتے تھے۔ اور دوسری میں ملا کہ آپ ﷺ روزانہ ۱۰۰ مرتبہ استغفار کرتے تھے۔ اب امت کا اجماع ہے کہ ۷۰ اور ۱۰۰ کی احادیث میں کوئی تضاد نہیں۔ بلکہ ۱۰۰ سے زائد پڑھنا بھی محبوب ہے ہرگز ہرگز بدعت نہیں۔

مثال درود شریف :

اسی طرح درود شریف کے فضائل احادیث میں ہیں۔ جتنا بھی کوئی پڑھے وہ جائز ہوگا' بدعت نہ ہوگا۔ بالکل اسی طرح رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں زیادہ عبادت کرنے کی ترغیب فرمائی اور قولاً کوئی عدد مقرر نہ فرمایا۔ مثلاً جتنی بھی رکعتیں کوئی پڑھیں وہ درست ہیں۔ ہاں اگر کسی خاص عدد پر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی خلیفہ راشد کی مواظبت ثابت ہو جائے تو وہ عدد مسنون ہوگا اس عدد سے کم خلاف سنت اور زائد مستحب ہوگا۔ چونکہ ۲۰ رکعت پر خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کی مواظبت ثابت ہے اس لئے یہ عدد مسنون ہوگا اور اس سے زائد کوئی رکعتیں پڑھیں تو وہ بھی مستحب ہوں گی اور یہ بھی مستحب ہوں گی۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ رمضان المبارک میں ایک نفل کا ثواب بھی فرض کے برابر ہوتا ہے۔ اس لئے بیس رکعت کو بدعت کہنا اس نومسلم کی کم علمی اور جرات بے جا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطاء فرمائیں۔

دور فاروقی رضی اللہ عنہ :

ص ۱۴۱ پر نومسلم البانی عنوان باندھتا ہے کہ گیارہ رکعت باجماعت کی سنت کو زندہ کیا۔ ہم نے عرض کیا کہ سنیت کے لئے مواظبت شرط ہے۔ وہی ثابت نہیں ہو سکی۔ لیکن البانی

سنت بنا رہا ہے- پھر عہد نبوی ﷺ اور عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں اس کو مار بھی رہا ہے' اور دور فاروقی رضی اللہ عنہ میں اس کو زندہ بھی کر رہا ہے- البانی نے ایک مضطرب روایت پیش کی ہے جس میں کہیں ۱۱ کا ذکر ہے' کہیں ۱۳ کا' کہیں ۲۱ رکعت کا- ۱۱ رکعت والی روایت کے کچھ متابعات ذکر کر کے ۱۱ کو ترجیح دینے کی کوشش کی ہے- لیکن متابعات کے نہ اسانید ذکر کئے ہیں اور نہ متون- مثلاً ابن ابی شیبہ (ص ۳۹۱' ج ۲) پر یحییٰ بن سعید القطان کی متابعت ہے- مگر یہ صراحت نہیں کہ گیارہ رکعت کا حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا' اور عبدالعزیز بن محمد خود ضعیف ہے اور اس میں بھی امر فاروقی کا کوئی ذکر نہیں- اسی لئے البانی نے نہ اسانید ذکر کیں نہ مکمل متون- اور بفرض محال ہم اس کو صحیح بھی مان لیں تو امت کا اجماع ہے کہ دور فاروقی میں استقرار و مواظبت ثابت نہیں اور نہ ہی سنت فاروقی ہے' کیونکہ اس پر ان کی مواظبت ثابت نہیں- پس سنت کہنا سنت کی تعریف سے جہالت ہے- اس کے بعد پوری امت کے خلاف نو مسلم البانی نے یہ نیا دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیس رکعت تراویح ثابت نہیں- اس میں پہلے تو امام عبدالرزاق پر جرح کی ہے' جس سے حدیث کی مشہور کتاب مصنف عبدالرزاق کی پوری گیارہ جلدیں ناقابل اعتماد قرار پائیں- اگر یہ اہل حدیث ہے تو پھر منکر حدیث کس کو کہا جائے گا- پھر یزید بن خصیفہ کے کپڑے اتارے ہیں- تیسری روایت میں ابن ابی ذباب کے بارہ میں لکھا ہے کہ حافظہ کمزور ہے اور دراوردی سے منکر احادیث روایت کرتا ہے- حالانکہ یہ روایت دراوردی سے نہیں- چوتھی روایت میں ہے کہ یزید بن رومان کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں- پانچویں روایت میں بھی یحییٰ بن سعید کا انقطاع ذکر کیا ہے- ان پانچ روایات کے مقابلہ میں ایک مضطرب روایت پر سارا زور لگایا ہے- جب کہ امت کا اتفاق ہے کہ عہد فاروقی میں استقرار ۲۰ پر ہوا- اسی لئے امام ترمذی نے گیارہ والی روایت کو قابل ذکر ہی نہ سمجھا اور فرمایا کہ "اہل علم نے قیام رمضان کے بارہ میں اختلاف کیا ہے- ان میں سے بعض وتر سمیت ۴۱ رکعتوں کے قائل ہیں- یہی اہل مدینہ کا قول ہے' اور اسی پر اہل مدینہ کا عمل ہے- اور اکثر اہل علم ۲۰ رکعات (تراویح)

کے قائل ہیں' جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے دیگر صحابہ کرام سے منقول ہے۔ یہی حضرت سفیان ثوری' حضرت عبداللہ بن المبارک اور حضرت امام شافعی کا قول ہے۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے ہی پایا ہے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں کہ وہاں سب بیس رکعت ہی پڑھتے ہیں (ترمذی ص۱۶۶' ج۱) امام ترمذی نے کسی صحابی بلکہ کسی مجتہد سے بھی گیارہ کا قول نقل نہیں کیا۔ اور حضرت عمر والے قول کو بھی قطعاً اس قابل نہ سمجھا کہ نقل کریں کیونکہ وہ یا تو مضطرب ہے یا وہم ہے اور اس پر استقرار ہی نہ رہا۔ مگر نو مسلم البانی کو نہ مذاہب اربعہ کے مجتہدین نظر آئے نہ محدثین۔ وہ اسی بحث میں مبارکپوری غیر مقلد کا اندھا مقلد ہے۔ امام ترمذی کے بارہ میں ساری امت کے خلاف یہ لکھ رہا ہے کہ اس نے ضعیف اقوال تو نقل کئے مگر صحیح کا نام تک نہ لیا۔ پھر اس کو جس طرح تراویح کی تعریف نہیں آتی' سنت کی تعریف نہیں آتی' اس کو تعارض اور خلاف کی تعریف بھی نہیں آتی۔ خود یہ کہتا ہے کہ مختلف اوقات میں وتر ۱'۳'۵'۷'۹'۱۱'۱۳ پڑھے۔ تو مختلف اوقات کی وجہ سے ان کو متعارض نہیں کہتا' یہاں ۸ کو بیس کے مخالف کیسے کہتا ہے' جبکہ دونوں کا زمانہ الگ الگ ہے۔ کیا فن احادیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعضائے وضو ایک ایک مرتبہ دو دو مرتبہ دھوتے تھے' تین تین مرتبہ دھوتے تھے' ان میں تعارض ہے۔ اور کسی عقل مند نے آج تک کہا ہے کہ تین تین مرتبہ دھونے والا ایک اور دو والی احادیث کا مخالف ہے۔ اور کیا کسی عقل مند نے آج تک کہا ہے کہ جو شخص تین تین مرتبہ اعضائے وضو دھوتا ہے وہ ان احادیث کا مخالف ہے جن میں دو دو یا ایک ایک مرتبہ اعضائے وضو کا دھونا آیا ہے۔ بلکہ سب کا اتفاق ہے کہ تین تین دفعہ دھونے والا سب احادیث پر عمل کر رہا ہے' کیونکہ تین میں ایک بھی شامل ہے اور دو بھی۔ اسی طرح اگر بالفرض کوئی آٹھ کی روایت ہو بھی تو وہ بیس میں شامل ہے مخالف نہیں۔ اسی طرح عہد عثمانی اور عہد مرتضوی میں ۲۰ رکعت کا تو ذکر ملتا ہے' مگر آٹھ کا نام نشان تک نہیں ملتا۔ اسی سے معلوم ہوا کہ عہد فاروقی میں آخرکار ۲۰ رکعات پر ہی استقرار ہوا۔ اگر بقول مبارکپوری و

البانی آٹھ پر استقرار ہوتا تو عہد عثمانی وعلوی میں آٹھ ہی برقرار رہتیں 'بیس کا نام نشان تک نہ ہوتا۔

معیار ردو قبول :

البانی کا احادیث و روایات کو رد کرنے اور قبول کرنے کا معیار حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم والا ہے 'جیسے ان کے لینے کے باٹ اور ہوتے تھے 'دینے کے اور۔ یہی طریقہ البانی نے اختیار کیا۔ جب خود مرسل سے استدلال کرتا ہے تو اس کو مرسل حسن کہتا ہے 'اور مسلم بن خالد زنجی جیسے شدید الضعف کی روایت کو اس کا شاہد بناکر حسن قرار دیتا ہے (دیکھو ص۹) اور جب رد کرنے پر آتا ہے تو یزید بن رومان کی روایت کے پانچ اسنادی شواہد اور امت کا عملی تواتر بھی اس کو نظر نہیں آتا (دیکھو ص ۵۲-۵۳)

قرآن پاک نے دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کے برابر تسلیم کیا ہے۔ اور وجہ یہی بتائی ہے کہ ایک بھول جائے گی تو دوسری یاد کرادے گی۔ اس آیت سے محدثین نے اصول بنایا کہ حافظہ پر جرح متابعت سے ختم ہو جاتی ہے۔ محدثین کا اجماع ہے کہ ارسال ' انقطاع ' جہالت اور تدلیس کی جرحیں بھی متابعت یا شواہد سے ختم ہو جاتی ہیں۔ بیس رکعت تراویح کے اسنادی شواہد بھی موجود ہیں اور تواتر عملی بھی۔ لیکن البانی نے ان اجماعی اصولوں سے انحراف کیا ہے۔ ص٦٦ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ابوالحسناء کو مجہول قرار دیا ہے۔ جبکہ البانی جانتا ہے کہ احناف کے ہاں خیرالقرون کی جہالت مضر ہی نہیں 'اور دوسروں کے ہاں شواہد سے جرح ختم ہو جاتی ہے۔ تو عطاء بن سائب والی روایت اس کی شاہد ہے۔ اس لئے یہ اجماعاً مقبول ہے اور البانی کسی شدید الضعف روایت سے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آٹھ رکعت نہیں دکھا سکتا ' نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے۔ حضرت ابی بن کعب کی بیس والی روایت ص ٦٧ پر صرف انقطاع کا اعتراض ہے۔ مگر سند پوری نقل نہیں کی ' کیونکہ سند کا مدار حسن بصری پر ہے۔ اور اس کا ارسال بالاتفاق حجت ہے۔ ص٦٩ پر اس کی شاہد روایت خود نقل کی ہے تو جرح ختم ہو گئی۔ الغرض احادیث صحیحہ کے رد میں البانی

بہت دلیر ہے اور اجماع کی مخالفت پوری جرات اور جسارت سے کرتا ہے۔

اجماع :

علامہ ابن عبدالبر المالکی نے بیس پر اجماع لکھا ہے اور امام نووی الشافعی بھی فرماتے ہیں: ثم استقر الامر علی عشرین فانه المتوارث۔ یعنی پھر بیس پر عمل قرار پا گیا۔ اسی لئے وہی سلف سے خلف تک برابر چلا آ رہا ہے۔ امام ابن قدامہ نے بھی مغنی میں لکھا وھذا کالاجماع اور ابن حجر مکی الشافعی فرماتے ہیں: اجتمعت الصحابة علی ان التراویح عشرون رکعة (مرقاۃ) اور امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: وھوالذی یعمل به اکثر المسلمین۔ اور دوسری جگہ فرماتے ہیں: قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعه فی قیام رمضان و یوتر بثلاث فرای کثیر من العلماء ان ذالك ھو السنة لانه اقامه من المھاجرین والانصار ولم ینکرہ منکر (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۱۲، ج ۲۳) مگر البانی نے اس کا بھی انکار کیا ہے۔ کیونکہ وہ جس طرح تراویح کی تعریف سے ناواقف ہے۔ سنت موکدہ کی تعریف نہیں جانتا۔ تعارض اور خلاف کی حقیقت نہیں سمجھتا، اسی طرح اجماع کی تعریف بھی نہیں جانتا۔ چنانچہ ص ۷۶ پر آٹھ اقوال نقل کئے ہیں (۱) ۴۱ (۲) ۳۶ (۳) ۳۴ (۴) ۲۸ (۵) ۲۴ (۶) ۲۰ (۷) ۱۶ (۸) ۱۱۔ اور ان کو عینی سے بے سند نقل کیا ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ۲۰ رکعت تراویح پر استقرار ہوا۔ اہل مکہ ہر چار رکعت کے بعد ترویحہ میں طواف کرتے تھے۔ اہل مدینہ ترویحہ میں ۴ نفل پڑھ لیتے۔ یہ ۱۶ نفل ہوئے جن کو البانی نے ساتواں قول قرار دیا ہے اور ۲۰ تراویح اور ۱۶ نفل مل کر ۳۶ رکعت ہو گئیں، جن کو دوسرا قول قرار دیا ہے۔ ان میں تین وتر مل جائیں تو ۳۹ ہو جاتی ہیں اور وتر کے بعد کے دو نفل ملالیں تو اکتالیس ہو جاتی ہیں (جس کو پہلا قول قرار دیا ہے) اور جہاں ۲۴ کا ذکر ہے وہاں ۴ فرض عشاء اور ۲۰ تراویح ہیں۔ البانی کا یہ کام ایسا ہی ہے کہ جیسے سات متواتر قراءتوں کے ساتھ کوئی عیسائی شاذ و متروک قراءتیں لکھ کر ان متواتر قراءتوں کے اجماعی ہونے کا انکار کرنے لگے۔ البانی مذاہب اربعہ کے متون متواترہ سے نہ آٹھ رکعت کے سنت ہونے کا قول پیش کر سکا ہے اور

نہ ہی بیس رکعت کے بدعت ہونے کا۔ امام مالک کی طرف منسوب قول الجوری ۳۶۹ھ کے حوالہ سے عینی سے ذکر ہے۔ البانی یزید بن رومان ۱۳۰ھ شاگرد عبداللہ بن عباس کا ارسال تو باوجود متابعات و شواہد کے حجت نہیں مانتا۔ لیکن جوری جو امام مالک سے صدیوں بعد ہوا' اسی کا بے سند قول جو مالکی فقہ کے متون متواترہ کے بالکل خلاف اس سے اجماع کا انکار کر رہا ہے۔

ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اگر چہ مجتہدین بہت ہوئے ہیں مگر جن کا مذہب مدون اور متواتر ہے وہ چار ہی ہیں۔ جیسے قاری بہت ہوئے مگر جن کی قراء تیں مدون اور متواتر ہیں وہ سات ہی ہیں۔ جس طرح ان سات قاریوں کا اتفاق قراءت میں اجماع ہے۔ غیر متواتر شاذ قراء تیں اس اجماع پر اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح مسائل فقہ میں اب ان چار اماموں کا اتفاق اجماع ہے۔ کسی دوسرے مجتہد کا کوئی شاذ قول اس اجماع پر ہرگز اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ اب ان کے خلاف کوئی قول ہو تو اس کے قائل کا صرف مجتہد ہونا کافی نہیں۔ اس مجتہد کے اس قول کا ثبوت بھی اسی قسم کے تواتر سے ہو جس طرح کے تواتر سے مذاہب اربعہ کا ثبوت ہے۔ ان دو شرطوں کے ساتھ وہ قول قادح اجماع ہو سکتا ہے۔ و اذلیس فلیس۔ البانی اور اس کی پارٹی مل کر بھی کسی مسلمہ مجتہد سے نہ آٹھ رکعت تراویح کے سنت ہونے کا قول متواتر دکھا سکتے ہیں۔ اور نہ ہی کسی مجتہد کا قول بیس رکعت کے بدعت ہونے پر دکھا سکتے ہیں۔

حق اختلاف :

البانی نے ص ۸۲ پر ایک اور مغالطہ دیا ہے کہ ائمہ اربعہ کے تلامذہ نے اساتذہ سے بعض مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ تو ہمیں اختلاف کا حق کیوں نہیں؟ یہ خالص مغالطہ ہے جس طرح جج کو جج سے اختلاف رائے کا حق ہے' مگر عامی اختلاف کرے تو توہین عدالت کا مرتکب ہے۔ اسی طرح مجتہد کو تو مجتہد سے اختلاف کا حق ہے اور ائمہ اربعہ کے تلامذہ مجتہد تھے' مگر عامی کا مجتہدین سے اختلاف کرنا اس کا نام تحقیق نہیں منازعت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیعت میں یہ شرط رکھتے تھے۔ ان لا ننازع الامر اھلہ کہ میں اہل

لوگوں سے منازعت نہیں کروں گا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی درزی قانون میں جج سے منازعت کرے۔ بلکہ البانی جیسے نااہل کا مجتہدین کے اجماع میں دخل دینا ہی اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعة کے موافق دین پر قیامت ڈھانا ہے۔

اتباع سنت :

البانی نے اتباع سنت میں خیر بتائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آٹھ تراویح میں خیر نہیں، کیونکہ نہ ہی یہ سنت نبوی ﷺ ہے کہ حضور ﷺ کی مواظبت اس پر ثابت ہو اور نہ ہی سنت صحابہ رضی اللہ عنہم ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر استقرار ہو۔ اس کے برعکس بیس رکعت تراویح پر صحابہ رضی اللہ عنہم سے آج تک امت کا استقرار اس کے سنت ہونے کی واضح دلیل ہے، اور اس کی اصل احادیث نبویہ ﷺ میں بھی موجود ہے۔

آخری بات !

البانی صاحب نے مبارک پوری کی تقلید میں یہ رونا رویا ہے کہ بیس والے جلدی جلدی پڑھتے ہیں، نماز سکون سے پڑھی جانی چاہئے، بے سکونی کے ساتھ بیس پڑھنے سے تو سکون کے ساتھ آٹھ پڑھنی بہتر ہیں۔ یہ بات تو صحیح ہے کہ نماز سکون سے پڑھی جانی چاہئے۔ مگر یہ بات کہ بیس والے سکون سے نہیں پڑھتے، غیر مقلدانہ جھوٹ ہے۔ البانی صاحب کو تو اب یہ رسالہ لکھنا چاہئے کہ سکون سے صرف ایک رکعت نماز پڑھنی چاہئے۔ اس سے تراویح، وتر، تہجد تینوں نمازیں ادا ہو جائیں گی۔ آخر میں دعا ہے اللہ تعالیٰ اہل سنت کو حق اور سچ مسلک پر قائم رکھیں اور ایسے لوگوں کے وساوس سے محفوظ رکھیں۔

عرب سے بیس تراویح کے ثبوت میں تین رسالے شائع ہوئے ہیں۔ ایک شیخ عطیہ محمد سالم کا ہے، جنہوں نے ثابت کیا ہے کہ ہزار سال سے زیادہ عرصہ سے بیس تراویح ہی متوارث ہیں۔ دوسرا مولانا محمد اسماعیل انصاری کا ہے، جس میں البانی کا رد ہے، اور تیسرا شیخ صابونی کا الھدی النبوی الصحیحہ۔ یہ تینوں رسالے غیر مقلدین پر قرض ہیں۔ ان کا جواب عرب میں شائع کرانا ضروری ہے۔

تحقیق مسئلہ تراویح
اور ایوب صابر کے رسالہ تحقیق تراویح پر نظر

پیش لفظ

ہمارا رسالہ ''تحقیق مسئلہ تراویح'' شائع ہوا تو الحمد للہ اتنا مقبول ہوا کہ اس کے کئی ایڈیشن چھپے اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ جہاں اہل سنت والجماعت اندرون ملک و بیرون ملک اس سے مستفیض ہوئے وہیں غیر مقلدین میں صف ماتم بچھ گئی، بڑی بڑی میٹنگز (MEETINGS) ہوئیں کہ کوئی کاتب کی غلطی مل جائے تو تقریر و تشہیر سے اس کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جائے کیونکہ اس جماعت کا مبلغ علم اتنا ہی ہے۔ علمی مضامین کا سمجھنا بھی ان کے بس میں نہیں تو جواب کیا دیں؟ آخر غیر مقلدین کے مدرسہ محمدیہ جلال پور پیر والا کے شیخ الحدیث مولوی سلطان محمود اور اس مدرسہ کے مدرس مولوی محمد رفیق نے مل کر برائے نام ہمارے رسالہ کا جواب لکھا اور اپنے شاگرد محمد ایوب صابر مدرس جامعہ محمدیہ خان پور کے نام سے چھپوایا۔ اصل مسئلہ تو رسالے میں مان لیا۔ چنانچہ لکھا ہے: ''ہم ان کی بیس رکعت تراویح پر کوئی اعتراض نہیں کرتے۔'' (تحقیق تراویح ص ۱۰۴) اس روایت پر کہ حضرت سوید بن غفلہؒ (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے)

رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے، لکھتے ہیں: '' یہ ہمارے مسلک کے خلاف نہیں۔'' (تحقیق تراویح ص ۴۷) اس روایت پر کہ حضرت سائب بن یزید ﷺ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام ؓ حضرت عمر ؓ اور حضرت عثمان ؓ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند بلا غبار صحیح ہے۔ (ص ۵۱) نیز لکھتے ہیں: ''ہم تو کہتے ہیں کہ صحابہ کرام ۱۱، ۱۳، ۲۰، ۲۴، ۲۸، ۳۶، ۳۹ پڑھتے تھے۔'' (ص ۵۳) پھر لکھتے ہیں '' یہ تو صحیح ہے کہ بیس رکعت میں آٹھ رکعت شامل ہیں۔'' (ص ۱۰۰) جب بیس رکعت پر خلافت راشدہ میں مواظبت مان لی تو بیس رکعت کا سنت خلفاء راشدین ہونا مان لیا اور یہ بھی لکھ دیا: علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین پر عمل کرنے سے کون بے وقوف روک سکتا ہے کہ یہ بھی تو فرمان رسول اللہ ﷺ ہے۔'' (ص ۹۳) آپ کی جماعت میں ایسے بے وقوفوں کی کمی نہیں جو ہر رمضان میں بیس رکعت کے خلاف چیلنج بازی اور اشتہار بازی کرتے ہیں۔

صاحب رسالہ نے بیس رکعت کی اتنی حیثیت تو مان لی جتنی اول شب با جماعت پورا ماہ مسجد میں ختم قرآن کے ساتھ تراویح پڑھنے کی ہے۔ جب ان پانچ باتوں کے خلاف انہوں نے کوئی رسالہ نہیں لکھا تو بیس رکعت کے خلاف رسالہ لکھ کر بقول خود بے وقوفی کا ثبوت کیوں دیا؟

دروغ گورا حافظہ نباشد۔ بیس رکعت جائز ہیں، اس میں آٹھ بھی شامل ہیں دور فاروقی، دور عثمانی اور بعد میں بھی لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے۔ مگر پھر امام مالکؒ کی طرف منسوب ایک غلط قول کے ذریعہ گیارہ سے زائد کو بدعت بھی قرار دے دیا۔ (تحقیق تراویح ص ط، ۳۳، ۹۹) امام مالک ائمہ اربعہ میں سے دوسرے امام ہیں۔ ان کی فقہ باقاعدہ مرتب و مدون اور مالکیوں میں تواتر کے ساتھ معمول بہ ہے۔ فقہ مالکی کے کسی متواتر متن میں اگر یہ قول دکھا دیں تو ایوب اور اس کے دونوں استادوں کو ضب (گوہ) کا ناشتہ کروا دیں گے، اس کے ناقل مالکی فقہاء نہیں بلکہ علامہ سیوطیؒ شافعی ہیں۔ راوی بھی کوئی مالکی نہیں شافعی ہے، نہ سیوطیؒ کی ملاقات راوی سے، نہ راوی کی امام مالکؒ سے۔ خود رسالہ میں لکھا ہے جب تک

اسنادی حیثیت واضح نہ ہوگی، استدلال درست نہیں۔ (ص ۵۹)

قلابازیاں:

علامہ سیوطیؒ کے اصل رسالہ میں قال الجوری من أصحابنا ہے لفظ اصحابنا سے صاف ظاہر ہے کہ یہ جوری شافعی ہے اور طبقات شافعیہ ص ۳۰۷ ج ۲ پر الجوری کا ذکر ہے۔ اس کا نام علی بن الحسین القاضی ہے، اس کی پیدائش ۲۳۸ھ میں ہے یعنی امام مالکؒ سے تقریباً ۵۹ سال بعد پیدا ہوا اور علامہ سیوطیؒ کی وفات ۹۱۱ھ کی ہے تقریباً چھ سو سال بعد، کیا اس سند کا اتصال شیخ الحدیث مع التثلیث ثابت کر سکتے ہیں؟

اعجوبہ:

مولانا عطاء اللہ حنیف غیر مقلد نے جب علامہ سیوطیؒ کا یہ رسالہ چھپوایا تو اصل رسالہ میں تو الجوری رہنے دیا مگر حاشیہ میں یہ جھوٹ لکھ دیا کہ بعض نسخوں میں الجوزی ہے، بعض میں ابن الجوزی۔ حالانکہ نہ تو الجوزی کا شافعی ہونا ثابت ہے (ان کی پیدائش ۴۵۷ھ اور وفات ۵۳۵ھ ہے) نہ امام مالک اور علامہ سیوطی سے ملاقات۔ اور ابن الجوزی حنبلی ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ اردو) ان کی پیدائش ۵۱۰ھ اور وفات ۵۹۷ھ میں ہے، ان کی بھی ملاقات نہ امام مالکؒ سے ثابت نہ علامہ سیوطیؒ سے۔

اعجوبے در اعجوبے:

بے چارے ایوب صابر نے ابن الجوزی کو مالکی لکھ مارا (صفحہ ط) یہ ان کا علمی شاہکار ہے۔ ایوب صابر صاحب نے ص ۳۲ پر ایک عنوان قائم فرمایا ''امت میں گیارہ رکعت تراویح کے قائلین'' اور چودہ سو سال میں صرف سات آدمی تلاش کئے جن میں (۱) امام مالکؒ (ان کے قول کا بے سند ہونا گزر چکا ہے) (۲) ابوبکر بن العربی مالکی، اس کی کتاب شرح ترمذی میں اس کا یہ عمل ہمیں نہیں ملا (۳) عمر بن احمد جوزی ابو احمد شرقی (۴) عمر بن احمد جوری ابوامین (۵) وجیہ صاحب (۶) ابومنصور جس کا سن وفات ۳۶۹ھ

ہے مگر ان کا کوئی حوالہ نہیں دیا، حالانکہ خود ان کا فرمان ہے، ان پر ضروری اور لازم تھا کہ ان کے حوالے بھی ساتھ ذکر کرتے تا کہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو جاتی لیکن چونکہ یہ سفسطی اوہام و جنون تھے جن کا مقصد سے ادنیٰ سا تعلق بھی نہیں ہے، بنابریں حوالہ دینے سے عاجز رہے۔ (صفحہ ب) ہم نے کتاب الانساب سمعانی دیکھی، اس میں آٹھ تراویح کا تو اشارہ بھی نہیں البتہ ایسے نام معلوم ہوئے، وہاں ہے عمر بن احمد بن محمد الجوری حدیث عن ابی حامد احمد بن محمد بن الحسن الشرقی (ص۱۱۵رج۲) اس نے لکھا عمر بن احمد جوزی ابو احمد شرقی، آدھا نام شاگرد کا آدھا استاد کا پہلے میں الجوری کو جوزی بنایا اور دوسرے میں ابو حامد کو ابو احمد۔ افسوس دل کی بصیرت سے تو یہ پہلے ہی محروم تھے اب آنکھوں کی بصارت بھی جواب دے گئی۔ مولوی سلطان محمود تو بے چارے بوڑھے ہیں، دوسرے ہی غور سے دیکھ لیتے اور جس کو عمر بن احمد جوری ابوالحسین لکھا ہے اس کا اصل نام ابوالحسن احمد بن عمر الخفاف ہے، باپ کو بیٹا، حسن کو حسین بنادیا اور وجیہ صاحب ابو بکر بن ابی عبدالرحمٰن الشحامی ہے اور ابو منصور اصحاب ابو حنیفہ میں سے ہیں۔ آٹھ رکعت تراویح کے ساتھ ان کو دور کا بھی تعلق نہیں۔ اب تو سلطان محمود کو یہ ورد کرنا چاہئے:

اے میرے باغ آرزو کیسا ہے باغ ہائے تو
کلیاں تو گو ہیں چار سو کوئی کلی کھلی نہیں

مالکی فقہ کے متون اور مالکیوں کے متواتر تعامل کے خلاف ایسا بے سند قول پیش کرنا جہالت اور خرق اجماع ہے۔ (درمختار)

محمد امین صفدر

ابتدائیہ

نماز تراویح کے بارے میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات غیر مقلدین کسی حدیث صحیح صریح غیر معارض سے نہیں دے سکے:

۱.........جس طرح احادیث میں نماز فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء، ضحیٰ، تہجد، وتر نمازوں کے نام آئے ہیں کیا کسی صحیح حدیث میں کسی نماز کا نام تراویح بھی آیا ہے یا نہیں؟

۲.........حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ چار رکعت رات کے وقت پڑھتے ثــم یــروح و اطــال پھر کافی دیر تک استراحت اور وقفہ کرتے تھے۔ (بیہقی ص ۴۹۷ ج ۲) امام بیہقی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے مگر پوری امت نے اس نماز کا نام تراویح رکھا ہے گویا تلقی بالقبول کی وجہ سے یہ روایت مقبول ہے۔ اس تلقی بالقبول سے ہی خود غیر مقلدین نے اس نماز کا نام تراویح رکھا ہے۔

۳.........حضرت عمر رضی اللہ عنہ چار رکعت کے بعد ترویحہ فرماتے کہ آدمی سلع پہاڑ تک جا سکے۔ (بیہقی ص ۴۹۷ ج ۲)

۴.........فتاویٰ علماء حدیث ص ۲۴۱ ج ۶ پر ہے ''نماز تراویح کی تعریف علماء نے یہ لکھی ہے کہ نماز تراویح وہ نماز ہے جو ماہ رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد باجماعت پڑھی جائے اور اس نماز کا نام تراویح اس لئے رکھا گیا کہ لوگ اس میں ہر چار رکعت کے بعد استراحت کرنے لگے کیونکہ تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ کے معنی ایک مرتبہ آرام کرنے کے ہیں۔''

۵.........فتاویٰ علماء حدیث ص ۲۴۳ ج ۶ پر ہے ''قیام رمضان نماز تراویح سے اہم ہے کیونکہ نماز تراویح میں جماعت بھی شرط ہے۔ اگر اکیلے اکیلے پڑھیں تو تراویح نہ ہوگی بخلاف قیام رمضان کے کہ اس میں جماعت شرط نہیں خواہ جماعت کے ساتھ پڑھیں خواہ اکیلے اکیلے پڑھیں۔''

۶ ...... نیز لکھا ہے کہ جو کرمانی نے کہا ہے کہ قیام رمضان سے بالاتفاق نماز تراویح مراد ہے، یہ انہوں نے ایک انوکھی بات کہی ہے۔ (ایضاً)

۷...... اگر تراویح پہلے وقت میں پڑھے تو صرف تراویح ہے پچھلے وقت میں پڑھے تو تہجد کے قائم مقام ہوتی ہے۔ (ایضاً ص ۳۲۹)

۸ نماز تہجد تو سارے سال میں ہوتی ہے اور تراویح خاص رمضان میں ہے۔ (ایضاً ص ۲۳۰ رج ۶)

۹ جو شخص رمضان میں عشاء کے وقت نماز تراویح پڑھ لے وہ آخر وقت میں تہجد پڑھ سکتا ہے۔ تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے، اول شب میں تہجد نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ علماء حدیث ص ۳۳۱ رج ۶)

۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹ یہ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہوں تو وہ احادیث تحریر فرمائیں، اگر ثابت نہ ہوں تو ان اقوال کے لکھنے والے امتیوں کی تقلید سے مشرک ہیں یا نہیں؟

۱۰ تراویح اور تہجد ایک نماز ہے، یہ قرآن کی آیت یا حدیث صحیح سے ثابت فرمائیں، اپنے قیاسات لکھ کر شیطان نہ بنیں، امتیوں کے اقوال لکھ کر مشرک نہ بنیں۔

۱۱...... کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک نماز کا نام گیارہ مہینے تہجد ہے اور بارہویں مہینے تراویح ہے؟

۱۲ کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ نماز گیارہ ماہ نفل ہے اور بارہویں مہینے سنت ہے؟

۱۳...... کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ گیارہ مہینے اس نماز کا وقت رات کا آخری حصہ ہے اور بارہویں مہینے اس کا وقت عشاء کے فوراً بعد ہے؟

۱۴ کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ گیارہ مہینے یہ نماز اکیلے پڑھو اور بارہویں مہینے با جماعت پڑھو؟

۱۵... کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ گیارہ مہینے اس میں قرآن ختم کرنا سنت

نہیں، ہاں بارہویں مہینے میں قرآن ختم کرنا سنت ہے؟

۱۶ ایک شخص نے ساری عمر میں تین دن نماز تراویح با جماعت پڑھی ہیں، اب نہیں پڑھتا کیا وہ گناہ گار ہے؟

۱۷ ...... ایک آدمی کہتا ہے کہ نماز ضحیٰ اور نماز تہجد کی طرح یہ نماز تراویح بھی نفل ہے، اس نے نہ ساری زندگی میں کبھی نماز تراویح پڑھی ہے نہ نماز ضحیٰ، نہ نماز تہجد، کیا وہ گناہ گار ہے؟ (اگر ہے تو اس پر کتنے کوڑے حد ہیں؟)

۱۸ ...... جن محدثین اور فقہاء نے حدیث اور فقہ کی کتابوں میں نماز تہجد، نماز تراویح اور نماز وتر کے ابواب الگ الگ باندھے ہیں وہ لوگ منکر حدیث ہیں یا کیا؟

۱۹ ...... بعض غیر مقلدین اس قسم کی شرط لگایا کرتے ہیں کہ خود حضرت عمر ﷺ کا بیس رکعت میں شامل ہونا دکھاؤ، تو کیا یہ شرط کسی حدیث کے مطابق ہے؟ اگر کوئی یوں کہے کہ خود حضور ﷺ اور صدیق اکبر ﷺ کا اپنے ہاتھ سے قرآن جمع کرنا ثابت کرو ورنہ ہم یہ قرآن نہیں مانتے یا خود حضرت عثمان ﷺ سے جمعہ کی پہلی اذان دینا ثابت کرو ورنہ ہم یہ اذان نہیں مانتے، آیا اس کا یہ کہنا صحیح ہے؟

۲۰ کیا خود حضرت عمر ﷺ کا تراویح کی جماعت میں شامل ہونا، پورا ماہ اول شب تراویح پڑھنا، پورا ماہ مسجد میں تراویح پڑھنا، پورا رمضان وتر جماعت سے پڑھنا، تراویح میں پورا قرآن خود پڑھنا یا خود سننا ثابت ہے؟ یا ان سب کاموں کو بھی چھوڑ دیا جائے گا؟

۲۱ مولانا داؤد غزنوی اعلان فرمایا کرتے تھے کہ آٹھ تراویح سنت رسول اللہ کی ہے اور باقی بارہ رکعت مستحب ہیں، اس سے تمام جھگڑوں کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ص ۲۶۵ رج ۶)

۲۲ مدرسہ رحمانیہ والے (اہل حدیث) ہر سال اعلان کرتے ہیں کہ آٹھ رکعت سے زائد تراویح درست ہیں اور باعث اجر بھی ہیں۔ (فتاویٰ ستاریہ ص ۱۹ رج ۳)

۲۲،۲۱ کس صحیح حدیث میں ہے یا ابن ہمام کے ایک شاذ قول کی تقلید ہے؟

۲۳۔۔۔۔۔۔۔۔فتاویٰ علمائے حدیث ص ۴۷،۸۸ ج ۶ پر حدیث نبوی ﷺ درج ہے کہ ''ماہ رمضان میں نفلی نیکی کا کام کرے وہ ایسا ہوگا کہ اس نے اور دنوں میں گویا فرض عبادت کی۔'' کیا بیس رکعت تراویح پڑھنے والے اس ثواب کے مستحق ہوں گے یا نہیں؟

۲۴۔۔۔۔۔۔۔۔جو لوگ اس ثواب سے روکیں وہ قرآنی زبان میں منـاع لـلخير اور ارأيت الذی ينهی عبدا اذا صلی کے مصداق ہوں گے یا نہیں؟

۲۵۔۔۔۔۔۔۔۔رحمانی صاحب انوار المصابیح میں بیس رکعت کے بارے میں فرماتے ہیں ''بیس رکعت پڑھنے والوں کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کیوں روکتے، یہ کوئی معصیت اور منکر کام تو تھا نہیں۔ (ص ۲۲۶) اور فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس پر نکیر نہیں فرمائی، یہی اہل حدیث کا مذہب ہے۔ (ص ۲۲۶) معلوم ہوا آج جو بیس رکعت کے خلاف اشتہار رسالے لکھ رہے ہیں وہ اہل حدیث نہیں ہیں منکرین صحابہ ہیں۔

۲۶۔۔۔۔۔۔۔۔مولوی محمد عثمان دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں: ''مقلدین کی ایک بڑی جماعت نے بیس رکعت مقرر کر کے اس بدعت شنیعہ کا ارتکاب کیا ہے۔ (رفع الاختلاف ص ۵۴) بیس رکعت کو مستحب کہنے والے بھی اہل حدیث ہیں اور بدعت شنیعہ کہنے والے بھی، اس تنازع کا فیصلہ خدا اور رسول ﷺ سے فرما کر بتائیں کہ کونسا اہل حدیث خدا، رسول کا منکر ہے؟

۲۷۔۔۔۔۔۔۔۔مولوی محمد عثمان دہلوی غیر مقلد فرماتے ہیں: ''جو شخص مغرب کی چار رکعات پڑھے اس کی نماز مغرب باوجودیکہ چار کے ضمن میں تین موجود ہیں ادا نہ ہوئی۔ ایسا ہی جس نے تراویح بیس رکعت پڑھی اس کی گیارہ رکعت مسنون ادا نہ ہوئی۔ (ایضاً ص ۵) یہ مولانا کا شیطانی قیاس ہے جس سے ساری امت بدعتی قرار پاتی ہے یا حدیث میں یہ ہے کہ بیس والے کی آٹھ ادا نہ ہوں گی، تو وہ حدیث پیش فرمائیں؟

نوٹ: یہ مولوی محمد عثمان صاحب غیر مقلدین کے بہت بڑے عالم ہیں۔ اخبار محمدی دہلی میں ان کے علمی جواہر پارے چھپا کرتے تھے۔ یہ غیر مقلدین کے محدث اعظم حافظ عبداللہ روپڑی صاحب کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ آپ نے اخبار محمدی دہلی

میں حافظ عبداللہ روپڑی کے نام ایک کھلا خط شائع کرایا تھا جس میں روپڑی صاحب کو لکھا تھا کہ آپ زمانہ طالب علمی میں علۃ المشائخ میں مبتلا تھے، اب وہ عادت چھوٹ گئی ہے یا اب بھی باقی ہے؟ قاعدہ تو یہ ہے کہ جب تک آپ میں صوفیت رہے گی یہ لٹکا بھی نہ جائے۔ لہٰذا مہربانی کر کے خدا سے ڈر کر اس کا صحیح جواب دیں اور اب بھی توبہ کر لیں۔ (اخبار محمدی ص ۱۵ / کالم ۳، ۱۵ جولائی ۱۹۳۹ء) حافظ صاحب نے تو کوئی توبہ نامہ شائع نہیں فرمایا بلکہ سنا گیا ہے کہ آپ کے اخص تلامذہ بھی استاد محترم کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

۲۸......... حال ہی میں فضیلۃ الشیخ عطیہ محمد سالم القاضی بالمحکمۃ الکبری بالمدینۃ المنورۃ و المدرس فی المسجد النبوی نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہی یہ ہے: ''التراویح اکثر من الف عام فی مسجد النبی علیہ الصلوۃ و السلام'' جس کے مطالعہ سے پتہ چلا ہے کہ ہزار سال میں ایک ماہ رمضان بھی ایسا نہیں گزرا کہ مسجد نبوی میں پورا مہینہ آٹھ تراویح باجماعت پڑھی گئی ہوں۔ اس کے رد میں ابھی تک غیر مقلدین نے کوئی اشتہار اور رسالہ شائع نہیں کیا۔ کیا مدینہ منورہ میں بدعات کی تائید میں رسالے لکھے جائیں، ان پر عمل جاری ہو تو وہاں تردید کی ضرورت نہیں؟

۲۹......... اسی طرح جامعہ ام القری مکۃ المکرمۃ سے بھی ایک رسالہ شائع ہوا ہے جس کا نام ''الھدی النبوی الصحیح فی صلوۃ التراویح'' ہے۔ جس میں بیس کی تائید اور آٹھ کی مخالفت ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شور مچائے گا کہ بیس رکعت تراویح سنت نبوی ﷺ ہے تو پھر ہم خاموش رہنا گناہ سمجھیں گے، لیکن ابھی تک آپ نے اس کا رد نہیں لکھا۔ آپ کے شیخ الحدیث اور استاد بھی گناہ گار بنے بیٹھے ہیں۔

۳۰......... جو شخص بیس رکعت تراویح کو سنت کہے اس کے خلاف تو بیسیوں رسالے اور اشتہار آپ کی جماعت نے شائع کئے، لیکن جو بیس رکعت تراویح کو بدعت کہتا ہے، اس کے خلاف کتنے رسالے آپ نے شائع کئے ہیں، ان کا نام اور پتہ بتائیں؟

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اپنے والد عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت

ﷺ نے رمضان کے مہینے کا ذکر فرمایا کہ ایسا مہینہ ہے کہ "کتب اللہ علیکم صیامہ وسننت لکم قیامہ" اللہ نے تم پر روزہ فرض کیا، میں نے قیام سنت کیا۔ پس جس نے اس مہینہ کے روزے رکھے اور قیام کیا، ایمان سے نیکی اور ثواب طلب کرتے ہوئے تو وہ اپنے گناہوں سے اسی طرح نکل جائے گا جس طرح کہ اس دن اسے ماں نے جنا۔ (ابن ماجہ ص۹۴، نسائی ص۳۰۸ رج۱، مسند احمد ص۱۹۱ رج۱)

حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تراویح سنت ہے اس کا چھوڑنا جائز نہیں۔ (کبیری ص۴۰۰، شرح نقایہ ص۱۰۴)

امام نوویؒ فرماتے ہیں، خوب جان لو کہ نماز تراویح کے سنت ہونے پر علماء کا اتفاق ہے اور یہ بیس رکعت ہیں۔ (کتاب الاذکار ص۸۳)

دعویٰ:

بیس رکعات تراویح سنت ہیں۔ (درمختار ص۹۸ رج۱، ہدایہ ص۹۹ رج۱، شرح نقایہ ص۱۰۴ رج۱)

سنت کی تعریف:

سنت دین کا وہ پسندیدہ معمول ومروج طریق ہے جو خواہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہو یا آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہو۔ اس کی دلیل نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ تم پر لازم ہے کہ میرے طریق اور میرے بعد آنے والے خلفاء راشدین کے طریق کو اپناؤ اور اسے دانتوں سے (مضبوطی سے) تھام لو۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی عضوا علیہا بالنواجذ۔ سنت کا حکم یہ ہے کہ مسلمان کو اس کے زندہ کرنے کی امکانی کوشش کرنی چاہئے، اگر وہ اسے ترک کرے تو قابل ملامت ہوگا الا یہ کہ وہ سنت پر عمل کسی عذر کی بناء پر چھوڑ دے۔ (ترجمہ اردو اصول الشاشی ص۲۲۲)

معلوم ہوا کہ سنت کے لئے اس کا رائج ہونا اور عادت ہونا ضروری ہے مثلاً:

(۱) کھڑے ہو کر پیشاب فرمانا حضرت ﷺ سے ثابت ضرور ہے مگر یہ عادت مبارکہ نہیں تھی عادت مبارکہ بیٹھ کر پیشاب فرمانے کی تھی، یہی سنت ہے۔

(۲) آنحضرت ﷺ کبھی ایک کپڑا بھی پہنتے، کبھی دو مگر عادت مبارکہ تین تین کپڑوں کی تھی، تہبند قمیص اور عمامہ۔ تو تین کپڑوں کو سنت کہا جائے گا۔

(۳) اعضائے وضو کو ایک ایک مرتبہ، دو دو مرتبہ دھونا آپ ﷺ سے ثابت ہے مگر یہ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ نہ تھی، عادت مبارکہ تین تین مرتبہ دھونے کی تھی اس لئے یہ سنت ہے۔

(۴) وضو کے بعد بیوی سے بوس وکنار کرنا ثابت ہے لیکن وضو میں کلی کرنا آپ کی عادت تھی اس لئے کلی کو سنت کہا جائے گا نہ کہ بوس وکنار کو۔

(۵) نماز میں بچی کو اٹھا کر نماز پڑھنا ثابت ہے مگر عادت نہ تھی اس کے برعکس نماز کے رکوع وسجود میں تسبیحات پڑھنا عادت تھی، اس کو سنت کہا جائے گا۔

(۶) بیوی سے روزہ میں بوس وکنار ثابت ہے مگر عادت نہ تھی، ہاں روزہ کے لئے سحری کھانا آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی اس لئے اسے سنت کہا جائے گا۔

(۷) خود ایوب صابر صاحب ص ۳ پر وتر کے بعد دو نفل کو ثابت مانتے ہیں مگر ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ ان پر آپ ﷺ کی مواظبت ثابت نہیں۔

اس لئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اگر بالفرض مختلف اعداد ہوں تو کس عدد پر مواظبت ثابت ہے، اس عدد کو سنت کہا جائے گا۔ حضرات غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ آٹھ رکعت آنحضرت ﷺ کی سنت ہے، ہم نے اس سے انکار کیا تھا کہ آٹھ رکعت پر حضور ﷺ کی مواظبت ثابت نہیں۔ رنمانی صاحب کی انوار المصابیح، مولوی عبدالمنان نور پوری کی تعداد تراویح، ایوب صابر کی تحقیق تراویح اور کئی دیگر رسائل پڑھ کر ہمارا یقین اور زیادہ پختہ ہوگیا ہے کہ آٹھ رکعت تراویح ہرگز سنت نبوی ﷺ نہیں، کیونکہ سب نے بنیاد حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو بنایا ہے جس کا تراویح کے ساتھ کوئی تعلق نہیں جیسا کہ تفصیل آئے گی۔

رہی حدیث جابر رضی اللہ عنہ، وہ اولاً تو نہ صحیح ہے، نہ حسن۔ اسی لئے حافظ عبد المنان صاحب اور جناب ایوب صابر صاحب نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ چنانچہ حافظ عبد المنان صاحب فرماتے ہیں: یاد رہے کہ رسول اکرم ﷺ کی نماز تراویح کی تعداد رکعات کے اثبات کا مدار حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نہیں۔ (تعداد تراویح ص ۳۷) ایوب صابر صاحب فرماتے ہیں مذکورہ بالا دونوں حدیثیں (جابر، ابی بن کعب) ہم نے بطور شواہد پیش کی ہیں۔ (تحقیق تراویح ص ۲۲) پھر باوجود ضعف کے ان میں تراویح کی تعداد پوری مذکور نہیں، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ساری تراویح جماعت سے نہیں پڑھائیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ تراویح پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے نماز مختصر کی اور حجرہ (اعتکاف) میں داخل ہو گئے فصلی صلوٰۃ لم یصلھا عندنا پھر نماز پڑھی جو ہمارے ساتھ نہ پڑھی تھی۔ (مسلم ص ۳۵۲ ج ۱، احمد ص ۱۹۳ ج ۳، قیام اللیل ص ۱۵۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ رمضان المبارک کی رات میں نماز پڑھ رہے تھے، ایک قوم آئی اور آپ ﷺ کے ساتھ شریک نماز ہوئی، پھر حجرہ میں داخل ہوئے اور نماز پڑھی پھر باہر تشریف لائے اور ہلکی پھلکی نماز پڑھائی۔ صبح کے وقت لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ کے پیچھے تراویح پڑھ رہے تھے، آپ کبھی گھر میں جاتے، کبھی باہر آتے۔ فرمایا تمہاری وجہ سے ہی میں نے ایسا کیا۔ رواہ الطبرانی فی الأوسط ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد ص ۱۷۳ ج ۳) امام احمد کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کئی بار حجرہ میں داخل ہوئے اور کئی بار باہر تشریف لائے۔ (ص ۱۰۳، ۱۸۵ ج ۳) ان صحیح احادیث سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب تراویح کی جماعت کروائی تو ساری رکعات جماعت کے ساتھ نہیں پڑھائیں۔ کچھ حجرہ میں پڑھی ہیں۔ پس حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں باوجود ضعیف ہونے کے نہ پوری تعداد تراویح کا ذکر ہے، نہ اس پر مواظبت ثابت ہے، پس سنت ہرگز نہ ہوئی۔

تطبیق:

محدثین اور فقہاء کا اصول ہے کہ آنحضرت ﷺ کی احادیث میں ٹکراؤ کی پالیسی کی بجائے تطبیق کی پالیسی مناسب ہے، یہ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے کچھ رکعات جماعت سے پڑھائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمادی ہوں اور حجرہ کے اندر کتنی رکعات پڑھیں، حدیث جابر رضی اللہ عنہ اس سے خاموش ہے تو ضروری ہوا کہ کوئی اور حدیث تلاش کی جائے جس میں اس سے زیادہ تعداد مذکور ہو، تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث مل گئی جس میں ۲۳ رکعت کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ کل رکعات ۲۳ تھیں، گیارہ (۱۱) باجماعت اور بارہ (۱۲) بلا جماعت، چونکہ جماعت پر آپ ﷺ نے مواظبت نہ فرمائی اس لئے گیارہ پر مواظبت نہ ہوئی اور بیس آپ بلا جماعت پڑھتے رہے۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تو پہلے باجماعت گیارہ کا حکم دیا ہو کیونکہ جماعت اتنے پر ہی ثابت تھی، پھر اس پر مواظبت نہ فرمائی کیونکہ حضور ﷺ نے مواظبت نہیں فرمائی تھی۔ پھر بیس رکعت اور تین وتر باجماعت پر ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے مواظبت فرمائی۔ اس طرح تمام روایات میں تطبیق بھی ہوگئی اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ آٹھ رکعت نہ سنت نبوی ہے نہ سنت صحابہ، کیونکہ ان پر نہ ہی حضور ﷺ نے مواظبت فرمائی اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے۔ ہاں بیس رکعت سنت ہے کیونکہ اس پر مواظبت ثابت ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اجماعاً اور حضور ﷺ کی تلقیاً۔ الغرض آٹھ پر نہ مواظبت ثابت، نہ صحت ثابت، نہ تلقی بالقبول ثابت۔

مسئلہ تراویح

آنحضرت ﷺ کا رمضان المبارک:

۱　ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو آپ ﷺ رمضان المبارک میں غیر رمضان کی نسبت (عبادت میں) زیادہ کوشش فرماتے۔ (مسلم)

۲ ام المومنین رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ آتا تو آپ ﷺ کی نماز غیر رمضان کی نسبت بڑھ جاتی (کثرت صلوتہ) اور کثرت عبادت کی وجہ سے آپ ﷺ کا رنگ مبارک بدل جاتا۔ (بیہقی)

۳ ...... آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا مبارک مہینہ آتا، آپ ﷺ کمربستہ ہو جاتے اور جب تک سارا رمضان گزر نہ جاتا آپ ﷺ رات کو بستر پر تشریف فرما نہ ہوتے۔ (شعب الایمان بیہقی)

۴ ...... آپ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں کہ جب رمضان کے آخری دس دن آتے تو آپ ﷺ بھی تمام رات بیدار رہتے اور اپنی ازواج مطہرات کو بھی بیدار رکھتے۔ (بخاری ص۲۶۹ ج۱)

اب جو شخص یہ دعویٰ رکھتا ہو کہ میں حضور ﷺ کی پوری تابعداری کرتا ہوں، اسے چاہئے کہ رمضان کی ساری راتیں عبادت میں گزارے، اتنی عبادت کرے کہ اس کا رنگ بدل جائے، آخری دس راتوں میں اپنے گھر والوں کو بھی نہ سونے دے۔ کیا غیر مقلدین کے کسی ایک گھر میں بھی اس طریقہ پر عمل ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں، تو پھر دین میں اور رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں ہی کم از کم جھوٹ بولنے سے توبہ کرلیں۔

۵ ...... آپ ﷺ نے امت کو بھی رمضان میں غیر رمضان کی نسبت زیادہ عبادت کی ترغیب دلائی، یہاں تک فرمایا کہ اس میں ایک نفل کا ثواب ایک فرض کے برابر ہو جاتا ہے اور ایک فرض کا ثواب ستر فرائض کے برابر۔ (مشکوۃ، فتاویٰ علمائے حدیث ص۲۴۷ ج۶)

بیس رکعات تراویح کی احادیث:

۱ ...... عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ ﷺ كان يصلي في رمضان عشرين ركعة و الوتر (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۴ / ج ۲) قلت سنده حسن و تلقته الأمة بالقبول فهو صحيح۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ رمضان

میں بیس رکعت (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے۔ یہ حدیث سند کے اعتبار سے حسن ہے اور امت کی عملی تائید اسے حاصل ہے، اس لئے یہ صحیح ہے۔

اس حدیث کے جواب میں جناب ایوب صابر صاحب فرماتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت بیس رکعت کے ثبوت میں پیش کرنا پرائمری سکول کے ماسٹر کا ہی کام ہوسکتا ہے جو کہ علم حدیث اور اصول حدیث سے ناواقف ہو، صاحب علم آدمی اپنے مذہب کو بدنام کرنے کی خاطر اتنی حماقت کبھی نہیں کرسکتا۔ اس سے بڑھ کر افسوس ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اپنے مسلک یعنی حنفیت کو بدنام کرنے کے لئے اس رسالہ کو شائع کیا اور اس پر رقم لگائی۔ (تحقیق تراویح ص ۳۶، ۳۷)

قارئین کرام! اسلام میں عملی مسائل کا اصل دارو مدار تعامل امت پر ہے جس حدیث پر امت بلا نکیر عمل کرتی چلی آرہی ہو اس کی سند پر بحث کی ضرورت نہیں ہوتی اور جس حدیث پر پوری امت نے عمل ترک کر دیا ہو اس کی سند خواہ کتنی صحیح ہو وہ معلول قرار پاتی ہے۔ ''نورالانوار'' میں صراحت ہے کہ جس خبر واحد کو تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہو جائے اس کی سند پر بحث کی ضرورت نہیں رہتی۔ المعجم الصغیر للطبرانی کے آخر میں ص ۱۷۷ سے ۱۹۹ تک اس اصول پر مستقل رسالہ ہے جس کا نام ہے التحفة المرضیه فی حل بعض مشکلات الحدیثیه، جس میں امام شافعیؒ، امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ، علامہ سیوطیؒ، سخاویؒ، شوکانی ؒ وغیرہ سے یہ اصول واضح فرمایا ہے، ان میں سے کوئی بھی پرائمری سکول کا ماسٹر نہیں۔ فتاویٰ علمائے حدیث ص ۴۷، ج ۶ میں تحریر ہے۔ علاوہ ازیں ضعیف حدیث جب کہ قرون مشہود لها بالخیر (خیر القرون) میں معمول بہ ہو، وہ امت کے ہاں مقبول ہے جیسے العینان و کاء السه کی حدیث اور حدیث الماء طهور لا ینجسه شئی الا ماغلب علیٰ ریحه أوطعمه أولونه کی اور حدیث لا وصیة لوارث کی اور ان جیسی حدیثیں اور بہت ہیں اور امت اس بات پر متفق ہے کہ نیند ناقض وضو ہے اور ان کی دلیل ضعیف حدیثیں ہیں، سو وہ اسناد کی حیثیت سے مردود ہیں اور معانی کے لحاظ سے مقبول ہیں۔ حافظ (ابن حجرؒ) نے تلخیص میں کہا ہے: ابن عمر نے ان علماء کی تصحیح پر تعقب کیا ہے

جنہوں نے حدیث البحر ھو الطھور ماؤہ کی تصحیح کی ہے پھر بایں ہمہ اس کے صحیح ہونے کا حکم دیا ہے کیونکہ علماء نے اس کو قبول کر لیا ہے سو اس حدیث کو اسناد کے لحاظ سے مردود اور معنی کے لحاظ سے قبول کیا ہے۔ نوویؒ نے کہا ہے کہ حدیث الا ما غلب علی ریحہ أو طعمہ کے ضعیف کہنے پر علماء کا اتفاق ہے۔ میں کہتا ہوں اور بایں ہمہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ قلیل کثیر پانی جب نجاست پڑ کر رنگ یا بو یا مزہ کو بدل دے تو وہ پلید ہے۔ جس طرح ابن المنذر نے کہا ہے اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ عامہ علماء کا قول یہی ہے، میں نہیں جانتا کہ اس میں ان کے درمیان اختلاف ہو۔ شوکانی نے کہا ہے کہ محدثین اس زیادت کے ضعف پر اتفاق کر چکے ہیں لیکن اس کے مضمون پر اجماع ہے۔ جس طرح کہ ابن المنذر اور ابن الملقن نے نقل کیا ہے، سو اب جو لوگ اجماع کے حجت ہونے کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس زیادت کے مفاد پر اجماع ہی دلیل ہے اور جو لوگ اجماع کے حجت ہونے کے قائل نہیں ان کے ہاں یہ اجماع اس زیادت کے صحیح ہونے کا مفید ہوگا، اس لئے کہ یہ زیادتی ایسی ہوگئی جس کے معنی پر اجماع ہو چکا ہے اور قبولیت کی نظر پڑی ہے سو ان کا استدلال اس زیادت سے ہے نہ اجماع سے اور سخاوی نے شرح الفیہ میں کہا ہے جب امت ضعیف حدیث کو قبول کر لے تو مذہب صحیح یہی ہے کہ اس پر عمل کیا جاوے یہاں تک کہ وہ یقینی اور قطعی حدیث کو منسوخ کرنے میں متواتر حدیث کے رتبہ میں سمجھی جائے گی اور اسی وجہ سے شافعی نے حدیث لا وصیۃ لوارث کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ اس کو محدثین ثابت نہیں کہتے لیکن عامہ علماء نے اس کو قبول کر لیا ہے اور اس پر عمل رکھتے ہیں یہاں تک کہ اس کو آیت وصیت کا ناسخ قرار دیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے ص ۱۸۴، ۲۲۱، ۳۰۷ وغیرہ کئی مقامات پر فرمایا ہے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے مگر اس پر اہلِ علم کا عمل ہے۔ امام سیوطیؒ نے تدریب الروای، نواب صدیق حسن خان نے الروضۃ الندیۃ (ص۶) پر اسی اصل کو لکھا ہے۔ ان اقتباسات سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہوگئی کہ اگر کسی حدیث کی سند کے ضعیف ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہو لیکن اس کے مضمون کو امت کی تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہو تو اس پر عمل ضروری ہو جاتا ہے، خود اس کو ضعیف کہنے والے محدثین بھی اسی پر عمل کرتے ہیں۔

حضرات قارئین! پانی کے پاک ناپاک ہونے کا مسئلہ وضو کی بنیاد ہے اور یقیناً تراویح سے زیادہ اہم ہے لیکن تلقی بالقبول کی وجہ سے ضعیف حدیث بھی مقبول ہے۔ وارث کے لئے وصیت کا منع ہونا بظاہر قرآن پاک کی آیت وصیت کے خلاف ہے اور قرآن کی بظاہر مخالفت مسئلہ تراویح سے بہت اہم ہے مگر پھر بھی امت نے اس کو قبول کیا۔ سند کے ضعف کو جھٹک دیا اور آیت قرآنی کو اس سے مخصوص یا منسوخ مان لیا۔ یہ امت کے فقہاء اور محدثین کا مسلمہ اصول ہے، کسی پرائمری کے ماسٹر کی خانہ ساز بات نہیں۔ جب ان اہم مسائل میں عام علماء کی تلقی بالقبول سے ضعیف احادیث درجہ متواتر تک پہنچ گئی ہیں تو وہ حدیث جس کو مہاجرین و انصار اور خلفاء راشدین ؓ کی تلقی بالقبول نصیب ہے وہ ان سے اعلیٰ درجہ کی صحیح و مقبول ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب اس حدیث کے موافق عمل کر کے خلفاء راشدین ؓ، مہاجرین، انصار، تابعین، تبع تابعین اور باقی امت نہ بدنام ہوئی نہ حماقت کی تو بے چاری حنفیت اس سے کیسے بدنام ہوئی اور کیا حماقت کی؟ ہاں ساری امت کو بدنام یا احمق کہنا شاید کہنے والے کی حماقت یا بدنامی ہی ہوگی۔

اس تلقی بالقبول کی بحث کے بعد سند کی بحث کی ضرورت نہیں تاہم اس میں غیر مقلدین کی ناانصافی بتانا ضروری ہے۔ اس کی سند یوں ہے: حدثنا یزید بن هارون قال اخبرنا ابراهیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس جب ہم یہ حدیث پیش کرتے ہیں تو غیر مقلدین ورق کے ورق سیاہ کرتے ہیں کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ سخت ضعیف ہے، اس سند کو پیش کرنا بدنامی ہے حماقت ہے، پرائمری سکول کے ماسٹر کا کام ہے۔

حضرات غیر مقلدین کے ہاں نماز جنازہ میں سورت فاتحہ پڑھنا فرض ہے یا کم از کم سنت مؤکدہ ہے، اس کی دلیل میں حکیم محمد صادق سیالکوٹی نے صلوٰۃ الرسول ص ۳۴۴ پر حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی حدیث پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جنازہ پر فاتحہ پڑھی۔ (ابن ماجہ) صلوٰۃ الرسول کی تعریفیں کرنے والے حافظ محمد گوندلوی، مولانا احمد دین گھکھڑوی، مولانا نور حسین گرجاکھی، مولانا عبداللہ ثانی امرتسری، مولانا محمد اسمٰعیل سلفی، مولانا

محمد داؤد غزنوی، ترجمان دہلی، نوائے وقت لاہور، فاران کراچی، نور توحید لکھنؤ، نوائے ملت مردان، الاعتصام لاہور، الحمراء لاہور، نوائے پاکستان لاہور، زمیندار لاہور، احسان لاہور، صحیفہ کراچی، آفاق لاہور، انقلاب لاہور، ڈان کراچی ہیں، اس حدیث کی سند بھی یہی ہے ابراھیم بن عثمان عن حکم عن مقسم عن ابن عباس (ابن ماجہ) ظاہر ہے کہ صلوٰۃ الرسول کی تعریفیں لکھنے والے مذکورہ حضرات میں سے ایک بھی پرائمری سکول کا ماسٹر نہیں، لیکن نہ ان حضرات کے استدلال سے فرقہ اہل حدیث بدنام ہوا، نہ ان علماء اہل حدیث کی حماقت کا ترانہ گایا گیا جنازہ میں فاتحہ کا مسئلہ تراویح سے زیادہ اہم مسئلہ ہے کیونکہ غیر مقلدین اسے فرض کہتے ہیں، تراویح کو آج تک کسی نے فرض نہیں کہا، جس راوی کی حدیث سے فرضیت ثابت کرنا حماقت اور بدنامی نہیں ہے اس راوی کی حدیث سے سنیت ثابت کرنا کیوں حماقت ہے؟ اس جنازہ والی حدیث کے خلاف نہ کوئی ورق سیاہ کئے گئے، نہ چیلنج بازی ہوئی۔

فرق:

حالانکہ بیس تراویح اور نماز جنازہ میں فاتحہ کی حدیث کی سند ایک ہونے کے باوجود ایک بہت بڑا فرق ہے کہ بیس رکعت کو تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہے مگر نماز جنازہ میں فاتحہ مدینہ میں بالکل متروک تھی، امام مالکؒ فرماتے ہیں نماز جنازہ میں سورت فاتحہ پڑھنے کا ہمارے شہر مدینہ میں کوئی دستور نہیں (المدونة الکبری)۔ سند دونوں کی ایک ہے، عمل میں دونوں میں فرق، تراویح میں تلقی بالقبول کی وجہ سے ضعف ختم ہو گیا مگر پھر بھی استدلال حماقت، فاتحہ کی بحث میں متروک العمل ہونے کی وجہ سے ضعف اور بڑھ گیا مگر اس سے استدلال جائز اور درست۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

راوی کا حال:

کسی راوی کے ثقہ ہونے کے لئے بنیادی طور پر دو ہی باتیں ضروری ہیں، اس کا حفظ ثابت ہو اور عادل ہونا ثابت ہو۔ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کو حافظ ابن حجر نے الحافظ کہا ہے اور کسی نے اس کے حافظہ پر جرح نہیں کی۔ رہی اس کی عدالت، اس کے بارے میں امام شعبہ نے جرح مفسر کی ہے اور امام یزید بن ہارونؒ نے تعدیل مفسر کی ہے شعبہ کی جرح کا ذہبی نے مذاق اڑایا ہے، باقی جارحین صرف شعبہ کے مقلد ہیں، تہذیب میں لکھا ہے کہ شعبہ ہمیشہ ثقہ راوی سے روایت لیتے تھے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ابوشیبہ سے شعبہ روایت لیتے تھے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ شعبہ نے اپنی جرح سے رجوع کر لیا ہوگا اگر رجوع مان لیا جائے تو راوی ثقہ، درجہ صحیح میں ہوگا اگر رجوع ثابت نہ مانا جائے تو راوی مختلف فیہ ہوگا، درجہ حسن میں آئے گا اسی لئے میں نے سندہ حسن لکھا تھا۔

اس حدیث کو نہ ماننے کا دوسرا بہانہ یہ ہے کہ یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف ہے، پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ جس حدیث کو تلقی بالقبول نصیب ہو وہ اگر قرآن کی آیت کے بھی خلاف ہو تو عمل جائز ہے چہ جائیکہ کسی مضطرب خبر واحد کے خلاف ہو اور یہاں تو اختلاف بھی نہیں کیونکہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا تہجد کے بارے میں ہے، یہ تراویح کے بارے میں۔ کل کو آپ یہ نہ کہنا شروع کر دیں کہ عصر کے چار فرض اور مغرب کے تین فرض کی احادیث میں تعارض ہے اگر بفرض محال یہ ایک ہی نماز کے بارے میں ہوتیں تو بھی آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ تین دفعہ اعضائے وضو کو دھونے والی حدیث ایک یا دو دفعہ دھونے والی حدیث کے خلاف ہے، تین کپڑوں والی حدیث ایک کپڑا پہننے کے خلاف ہے آپ نے خود یہ لکھا ہے کہ یہ تو صحیح ہے کہ بیس رکعت میں آٹھ رکعت شامل ہیں (تحقیق تراویح ص ۱۰۰) یہ بھی لکھا ہے کہ ہم ان کی بیس رکعت تراویح پر کوئی اعتراض نہیں کرتے۔ (ص ۱۰۴) اگر بیس رکعت تراویح حدیث صحیح کے خلاف ہے تو آپ کو اعتراض کیوں نہیں؟ اگر

خلاف نہیں تو بات ختم ہوئی۔

نوٹ:

ایوب صابر اور ان کے شیخ الحدیث صاحبین کی ایک عادت یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں لاجواب ہو جاتے ہیں تو موقع بے موقع تقلید کو گالیاں دینا شروع کر دیتے ہیں، اس بارے میں میرا خیال ہے کہ ان کو وکیل اہلِ حدیث ہند کی ایک نصیحت یاد کرادوں انہوں نے بڑے درد دل سے فرمایا ہے جو شخص سچا اہلِ حدیث رہنا چاہتا ہے وہ اس نوٹ کو ملاحظہ کرے اور اس پر کاربند ہو ورنہ مطلق تقلید سے تنفر ہو کر اعتزال، نیچریت، سرزامیت، چکڑالویت اور دہریت میں جا پڑے گا، امام شافعیؒ نے اتباع قول صحابہ ؓ کا نام تقلید رکھا ہے اور ابن القیم نے بھی اس محاورہ کو مسلم رکھا ہے، امام شافعیؒ اور حافظ ابن القیمؒ کے یہ اقوال فرقہ اہلِ حدیث کے ان جہلاء، اور بعض علماء، پیروان خواہش جہلاء کے لئے ایک عبرت خیز وہدایت انگیز تازیانہ ہے جو لفظ تقلید ومقلد کے نام سے چونک اٹھتے ہیں اور یہ الفاظ سنتے ہی ایسے چڑتے اور جلتے ہیں جیسے دیہاتی سکھ بانگ (اذان) سننے سے یا متعصب ہندو کلمہ پڑھنے سے۔ (اشاعت السنہ ص ۱۲۶/ ج ۴) دیکھئے مولانا محمد حسین بٹالوی وکیل اہلِ حدیث ہند نے تقلید کو اذان اور کلمہ طیبہ سے تشبیہ دی ہے اور تقلید سے چڑنے والوں کو دیہاتی سکھوں اور متعصب ہندوؤں سے۔

تقلید سے تو آپ کو چڑ تھی ہی اب تو حدیث سے بھی چڑ ہوگئی ہے کہ جس حدیث کو امت کی تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہے اس کے خلاف گستاخانہ لہجہ اختیار کیا ہے، یہ صرف ایوب صابر یا سلطان محمود کا ہی شیوہ نہیں بلکہ اپنے بڑوں سے احادیث کو رد کرنے کی عادت وراثت میں ملی ہے چنانچہ مولانا محمد حسین بٹالوی اپنے زمانہ کے غیر مقلدین کو نصیحت فرماتے ہیں: علماء کو یہ لائق نہیں کہ ہر ایک حدیث خصوصاً احادیث طبقہ رابعہ سے بلا تحقیق صحت تمسک کریں اور نہ عوام کو یہ زیبا ہے کہ جو حدیث کسی کی زبان سے سن لیں یا تراجم کتب حدیث میں دیکھیں اس سے بلا تحقیق صحت ومراجعت علماء لیت جایا کریں اور اتنی

ہی بساط پر اہل حدیث کہلائیں اور مطلق تقلید کو بالفاظ قبیحہ ضال وغیرہ وغیرہ صلوٰتیں سنائیں اور مقلدین مذاہب مجتہدین کو برائی سے یاد کریں، ایسے اندھا دھند احادیث پر عمل کرنے والے محققوں اور مذاہب مشہورہ کے مقلدوں میں سرمو فرق نہیں ہے، ہاں فرق یہ ہے کہ وہ ائمہ مجتہدین مسلم الاجتہاد کے مقلد ہیں اور یہ غیر مجتہدین کے مقلد۔ یہ مقلد نام کے محقق، جیسے احادیث غیر صحیحہ کے تسلیم میں بے ضبطی کر رہے ہیں ویسے ہی احادیث صحیحہ وحسنہ لائق عمل کو رد کرنے میں بے ضبط ہو رہے ہیں بہت سی احادیث کو جو ائمہ مجتہدین اور محدثین کے نزدیک مانی ہوئی اور لائق عمل قرار دی گئی ہیں، یہ صرف ان کے بعض راویوں کو مجروح و مطعون دیکھ کر ضعیف قرار دیتے ہیں اور یہ بھی کہہ بیٹھتے ہیں کہ جو مسئلہ اس حدیث سے فلاں امام یا مجتہد نے نکالا ہے اس کی کوئی اصل نہیں (اشاعت السنہ ج ۱۱)

مولانا عبد الجبار غزنوی اور مولانا عبد التواب ملتانی فرماتے ہیں'' اور ہمارے اس زمانہ میں ایک فرقہ نیا کھڑا ہوا ہے جو اتباع حدیث کا دعویٰ رکھتا ہے اور در حقیقت وہ لوگ اتباع حدیث سے کنارے (بہت دور) ہیں جو حدیثیں کہ سلف وخلف کے ہاں معمول بہا ہیں ان کو ادنیٰ سی قدح اور کمزور سی جرح پر مردود کہہ دیتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال کو ایک بے طاقت سے قانون اور بے نور سے قول کے سبب پھینک دیتے ہیں اور ان پر اپنے بے ہودہ خیالوں اور بیمار فکروں کو مقدم کرتے ہیں اور اپنا نام محقق رکھتے ہیں حاشا و کلا، اللہ کی قسم یہی لوگ ہیں جو شریعت نبویہ کی حد بندی کے نشان گراتے اور ملت حنیفیہ کی بنیادوں کو کہنہ کرتے ہیں اور سنت مصطفویہ کے نشانوں کو مٹاتے ہیں اور احادیث مرفوعہ کو چھوڑ رکھا ہے اور متصل الاسانید آثار کو پھینک دیا ہے اور ان کے دفع کرنے کے لئے وہ حیلہ بناتے ہیں کہ جن کے لئے کسی یقین کرنے والے کا شرح صدر نہیں ہوتا نہ کسی مومن کا سر اٹھتا ہے'' (فتاویٰ علمائے حدیث ص ۸۰/ ج ۷)

یہ غیر مقلد علماء کی شہادتیں ہیں اور قرآن پاک کے مطابق دو شہادتوں سے بات ثابت ہو جاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ فرقہ نیا بنا ہے، ان کا مشن حیلے بہانوں سے صحیح احادیث کو رد کرنا، ملت حنیفیہ کی بنیادیں کھودنا اور سنت نبویہ کو مٹانا ہے آج اسی مشن کے

علمبردار سلطان محمود جلال پوری ہیں۔

دور فاروقی وعثمانی:

۱ دور فاروقی ۱۵ھ میں باقاعدہ نماز تراویح باجماعت کا اہتمام کیا گیا (بخاری ص ۲۶۹/ ج ۱، مسلم ص ۲۵۹/ ج ۱) اس وقت لوگ باجماعت کتنی رکعات پڑھتے تھے۔

۲......... عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب في شهر رمضان بعشرين ركعة قال وكانوا يقرؤن بالمئين و كانوا يتوكئون على عصيهم في عهد عثمان رضی اللہ عنہ من شدة القيام (بیہقی ص ۴۹۶/ ج ۲)

ترجمہ:۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ صحابی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کے زمانہ میں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باجماعت) بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے اور قاری صاحب سوسو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور لوگ لمبے قیام کی وجہ سے لاٹھیوں کا سہارا لیتے۔

اس روایت کے بارے میں خود ایوب صابر صاحب لکھتے ہیں: اس حدیث کی سند بلاغبار صحیح ہے (تحقیق تراویح ص ۵۱) البتہ یہ جھوٹ بولا ہے کہ اس میں فی عہد عثمان کے الفاظ مدرج ہیں۔

۳........... و روى مالك من طريق يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد عشرين ركعة۔ (فتح الباری ص ۸۰/ ج ۴)

ترجمہ: امام مالکؒ نے یزید بنؒ خصیفہ کے طریق سے سائب بن یزید سے روایت کی ہے کہ عہد فاروقی میں بیس رکعت تراویح تھیں۔

٤......... وفي الموطا من طريق يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد أنها عشرون ركعة۔ (نیل ۱۱۱ وطار ص ۲۹۸/ ج ۲)

ترجمہ:۔ مثل سابق۔ یہ سند مالك عن يزيد بن خصيفه عن السائب، بخاری ص ۳۱۲، ج ۱، پر موجود ہے۔

ان دونوں روایات کی سند پر تو صابر صاحب اعتراض نہیں کر سکے، ہاں انکار حدیث کے جذبے نے جوش کیا تو یہ لکھ دیا کہ یہ حافظ ابن حجر کا وہم ہے اور شوکانی نے اس کی تقلید کی ہے حافظ ابن حجر ۸۵۲ھ میں فوت ہوئے، اس وقت سے چودہویں صدی کے اختتام تک تقریباً ساڑھے پانچ صدیاں گزر چکیں۔ اس زمانہ میں سینکڑوں محدثین گزرے، فتح الباری نایاب کتاب نہیں تھی، سب کی نظر سے گزری اور موطا بھی نایاب نہ تھی، اتنی صدیوں میں کسی مسلمہ محدث نے اس حدیث کو وہم قرار دیا ہو، اس کا مستند حوالہ پیش فرمائیں ورنہ سوائے انکار حدیث کے جذبہ کے اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں موطا امام مالک کے سولہ نسخے ہیں جن میں سے ہمارے پاس صرف دو ہیں امام یحیٰ والا اور امام محمد والا۔ ان دونوں میں بھی روایات کم وبیش ہیں تو جب ابن حجر اور شوکانی کے نسخہ میں یہ موجود ہے تو یہ اختلاف نسخ اور زیادت ثقہ ہے جو اجماعاً مقبول ہے۔

۵........ عن السائب بن يزيد قال كنا نقوم في زمان عمر بن الخطاب بعشرين ركعة والوتر۔ (معرفة السنن بیہقی ص ۳۶۷، کنز العمال ص ۲۶۴/ ج ۸)

ترجمہ:۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعت تراویح (باجماعت) اور وتر پڑھتے تھے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے (شرح المہذب) علامہ سبکی، سیوطی اور ملا علی قاری نے اس کو صحیح فرمایا ہے اور نیموی نے اس تصحیح کو نقل فرمایا ہے (آثار السنن ص ۵۵/ ج ۲) ان اہل فن محدثین کی تصحیح کے بعد بے چارے ایوب صابر کی کیا حیثیت ہے، ہاں جیسا کہ فتاویٰ علمائے حدیث سے گزرا کہ حیلے بہانوں سے احادیث کا انکار ان کی عادت قدیمہ ہے۔ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں:

۶ .... روى الحارث بن أبي ذباب عن السائب بن يزيد قال كان القيام على عهد عمر بثلاث وعشرين ركعة (سندہ صحیح)

ترجمہ:۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ بیس رکعت تراویح باجماعت پڑھتے تھے۔

۷............ عن محمد بن کعب القرظی کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعة و یوترون بثلاث۔ (قیام اللیل ص ۱۵۷)

ترجمہ:۔ حضرت محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں با جماعت بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے۔

۸............ عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث و عشرین رکعة (موطا امام مالک ص ۴۰)

ترجمہ:۔ یزید بن رومانؒ سے روایت ہے کہ سب لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان میں (باجماعت) بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے۔

۹............ عن یحییٰ بن سعید عن عمر بن الخطاب أنه أمر رجلا أن یصلی بهم عشرین رکعة۔ (ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳/ ج ۲)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے۔

۱۰............ عن الحسن ان عمر بن الخطاب جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی بهم عشرین رکعة۔ (نسخہ ابوداؤد مطبوعہ عرب ص ۱۴۲۹)

ترجمہ:۔ امام حسن فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے لئے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو تراویح کا امام مقرر کیا، وہ بیس رکعت پڑھاتے تھے۔

اس حدیث میں ابوداؤد کے دو نسخے ہیں بعض نسخوں میں عشرین رکعة اور بعض میں عشرین لیلة ہے، جس طرح قرآن پاک کی کسی آیت کی دو قرآتیں ہوں تو دونوں کو ماننا چاہئے، ہم دونوں نسخوں کو تسلیم کرتے ہیں لیکن حیلے بہانوں سے انکار حدیث کے عادی سلطان محمود جلال پوری نے اس حدیث کا انکار کر دیا اور الٹا الزام علماء دیوبند پر لگا دیا کہ انہوں نے حدیث میں تحریف کی ہے، حالانکہ یہ حدیث الشیخ محمد علی الصابونی الاستاذ بکلیة الشریعة و دراسات الاسلامیة جامعة أم القری مکة المکرمه نے بھی اپنی کتاب الهدی النبوی الصحیح فی صلوة التراویح (ص ۵۶) پر نقل کی ہے، بلکہ دیوبند کا مدرسہ بننے سے صدیوں پہلے علامہ ذہبی نے اپنی مشہور کتاب

سیر اعلام النبلاء ص ۴۰۰/ ج ا پر ابوداؤد کے حوالے سے عشرین رکعۃ نقل فرمایا ہے احادیث کا انکار کرنے کے لئے دوسروں پر تحریف کے الزامات لگانا یہ غیر مقلدوں کے شیخ الحدیثوں اور پیشہ ور واعظوں کا روز مرہ کا معمول بن چکا ہے امام اعظمؒ سے بغض کی نحوست ہے کہ اب احادیث کا کھلم کھلا انکار ہو رہا ہے۔

۱۱ .... عن أبی بن کعب أن عمر بن الخطاب أمره أن یصلی باللیل فی رمضان فصلی بهم عشرین رکعة (کنز العمال ص ۲۶۴/ ج ۸)

ترجمہ:۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے حکم دیا کہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھاؤں۔

۱۲ ...... عن السائب بن یزید أن عمر بن الخطاب جمع الناس فی رمضان علی أبی بن کعب وتمیم الداری علی احدی وعشرین رکعة (عبدالرزاق ص ۲۶۰، ج ۴)

ترجمہ:۔ حضرت سائب سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خود ابی بن کعب اور تمیم داری پر جمع فرمایا اور وہ لوگوں کو اکیس رکعت پڑھاتے تھے۔

(الف) .... مالکی مذہب کی مستند کتاب المدونۃ الکبریٰ میں ہے: ان عمر و عثمان کانا یقومان فی رمضان مع الناس۔ (ص ۱۹۴/ ج ۱) بے شک حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں لوگوں کے ساتھ ہی با جماعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔

(ب) .... شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: قد ثبت ان أبی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعة ویوتر بثلاث فرأی أکثر من العلماء أن ذلك هو السنة لانه قام بین المهاجرین و الانصار و لم ینکره منکر (فتاویٰ ابن تیمیہ قدیم ص ۱۸۶/ ج ۱، فتاویٰ ابن تیمیہ جدید ص ۱۱۲/ ج ۲۳)

ترجمہ: یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ لوگوں کو بیس رکعت

تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے، اس لئے علماء کی اکثریت کی رائے میں بیس ہی سنت ہیں کیونکہ حضرت ابی بن کعب کے پیچھے مہاجرین (بھی بیس ہی پڑھتے تھے) اور انصار بھی بیس ہی پڑھتے تھے اور کسی منکر نے بھی (بیس تراویح کے سنت ہونے کا) انکار نہیں کیا۔

ایوب صابر صاحب نے بڑے چیلنج سے لکھا ہے کہ ابن تیمیہ کی کوئی ایسی عبارت نہیں ہے اس لئے اب ہم نے اصل عربی عبارت بھی لکھ دی ہے اور دو ایڈیشنوں کا حوالہ دیا ہے، اب ایوب صاحب اپنے شیخ الحدیث سلطان محمود اور استاد محمد رفیق کو لے کر کسی پرائمری سکول میں داخل ہو جائیں تا کہ حرف شناسی کے بعد حوالہ تلاش کرنے کی بصیرت حاصل ہو جائے۔ ان روایات سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قولاً، فعلاً، تقریراً، تشریعاً بیس رکعت تراویح پر مواظبت ثابت ہوگئی ایسے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی فعلاً، تقریراً اور تشریعاً بیس رکعت تراویح پر مواظبت ثابت ہوگئی، جس سے بیس رکعت کا سنت خلفاء راشدین ہونا واضح طور پر ثابت ہو گیا، ہمارا چیلنج ہے کہ دور فاروقی و دور عثمانی سے لے کر دور برطانیہ تک کسی ایک بھی سنی محدث یا فقیہ یا مؤرخ نے دور فاروقی و دور عثمانی میں بیس رکعت تراویح کی مواظبت کا انکار نہیں کیا، نہ ہی دور برطانیہ سے قبل کسی مستند اسلامی کتاب میں اس مواظبت کے خلاف کوئی احتجاج ہے۔

غیر مقلدین کو احادیث کے انکار کی جولت پڑ گئی ہے اس کے موافق ایوب صاحب نے پہلے تو انکار کے حیلے بہانے شروع کئے، مثلاً روایت نمبر ۵ کے بارے میں کہا کہ ابو عثمان بسری مجہول ہے مگر اس کا حوالہ اہل فن اسماء الرجال کی کتب سے پیش نہ کر سکے، جب کہ علامہ سبکی، سیوطی، نووی، ملا علی قاری جیسے اہل فن محدثین نے اس کو صحیح کہا ہے، تو جاننے والے اہل فن کے مقابلے میں انجان نا اہل کی بات کا کیا وزن؟ حدیث نمبر ۷، ۸، ۹ کے بارے میں انقطاع اور ارسال کا شور مچایا، حالانکہ اسے خوب معلوم ہے کہ احناف کے ہاں خیر القرون کے ارسال کو جرح ہی نہیں مانا جاتا۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالک، اور امام احمدؒ تو مرسل کو ویسے ہی حجت مانتے ہیں امام شافعیؒ اور ان کی تقلید شخصی میں غیر مقلدین متعصد کو

حجت مانتے ہیں۔ (دیکھو مبارک پوری کی تحقیق الکلام) یہ سب مراسیل معتضدہ ہیں، ان کے حجت ہونے کا کوئی مسلمان محدث یا فقیہ منکر نہیں ہے، صرف ایک مستند حوالہ تحریر کریں، ایوب صابر صاحب نے ان روایات کو صرف اس لئے رد کر دیا کہ فلاں راوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ۲۳ سال بعد پیدا ہوا، اس لئے روایت مردود ہے، اس طرز سے بے چارے عوام تو سمجھیں گے کہ بہت بڑی تحقیق ہے مگر جن کی کتب حدیث پر نظر ہے وہ بیچارے کانپ اٹھیں گے کہ دیکھو انکار حدیث کا دروازہ کھول دیا۔ جذبات اور تعصب سے ہٹ کر آپ غور فرمائیں کہ عیسائیوں اور نیچریوں نے آنحضرت ﷺ کے اکثر معجزات کا انکار اسی بنا پر کیا کہ فلاں معجزہ روایت کرنے والا صحابی تو اس وقت ابھی مسلمان بھی نہیں ہوا تھا یا ابھی پیدا ہی نہیں ہوا تھا، منکرین حدیث نے بھی اکثر احادیث کا انکار اسی اصول پر کیا کہ فلاں صحابی واقعہ کا عینی شاہد نہیں ہے، اس لئے سند متصل نہیں مگر علمائے محدثین نے ان سب باتوں کا ایک ہی اصولی جواب دیا کہ مراسیل صحابہ رضی اللہ عنہم باجماع امت حجت ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے محدثین کے اس اجماعی ضابطہ کو قبول کر لیا وہ انکار معجزات اور انکار حدیث سے بچ گئے اور جو جذبات اور تعصب کی رو میں بہہ گئے وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور کتنے ہی سادہ لوح لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد خیر القرون کی مرسلات کے بارے میں اختلاف ہوا۔ امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ نے ان مرسلات کو بھی قبول فرمایا، اگر راوی ثقہ ہو۔ امام شافعیؒ نے اس کو قبول کرنے سے انکار فرمایا مگر انہوں نے اندازہ لگایا کہ اس طرح تو بہت سا ذخیرہ احادیث کا انکار ہو جائے گا تو انہوں نے بعض تابعین کی مراسیل کو تو مطلقاً قبول فرما لیا اور بعض کے قبول میں یہ شرط لگا دی کہ اگر اس مرسل کی تائید دوسری سند سے یا تعامل سے ہو جائے تو وہ مقبول ہو گی، ایسی مرسلات کو مراسیل معتضدہ کہا جاتا ہے جس طرح مراسیل صحابہ رضی اللہ عنہم کے ماننے پر امت کا اجماع ہے، ایسے ہی مراسیل معتضدہ کے ماننے پر امت کا اجماع ہے۔

عیسائیوں اور نیچریوں نے مراسیل صحابہ رضی اللہ عنہم کے ماننے سے انکار کیا اور بہت

سے معجزات و احادیث کا انکار کر دیا غیر مقلدین نے اجماع امت کے خلاف مراسیل معتضدہ کے ماننے سے انکار کیا اور بہت سی سنتوں کا انکار کر کے خود بھی گمراہ ہوئے، دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اگر غیر مقلدین اس اجماع کو نہیں مانتے تو وہ قرآن پاک کی صریح آیت یا صحیح صریح حدیث سے ثابت کر دیں کہ مراسیل صحابہ ؓ کو حجت ہیں لیکن مراسیل معتضدہ حجت نہیں اور مطلق مراسیل خیرالقرون کے بارے میں تینوں اماموں کا قبول کرنا فلاں حدیث کے خلاف ہے اور امام شافعیؒ کا مرسل غیر معتضد کو رد کرنا فلاں حدیث کے موافق ہے، اور عجیب بات تو یہ ہے کہ جن کتابوں پر یہ مدار رکھا ہے کہ فلاں راوی کب پیدا ہوا؟ اس میں حافظ ابن حجر اور زیلعی، عینی یا آثار السنن سے اقوال نقل کئے ہیں جو ان راویوں سے سینکڑوں سال بعد لکھی گئیں، بیس سال کا انقطاع تو حجت نہیں، آٹھ سو سال کا انقطاع حجت ہے، یہ ہی کسی حدیث سے ثابت فرما دیں اور یہ بھی ثابت فرمائیں کہ خیرالقرون پر اعتماد نہ کرنا بعد میں آٹھویں صدی والوں کو اربابا من دون الله بنا کر مان لینا، بلا چوں چرا ان کی باتوں سے ایسی احادیث کو بھی رد کر دینا جن پر پوری امت عمل کرتی چلی آرہی ہے۔ چونکہ بیس رکعت کے بارے میں جو مراسیل ہیں وہ معتضدہ ہیں اس لئے خود امام شافعیؒ نے بھی بیس رکعت تراویح کا انکار نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا: احب الی عشرون (قیام اللیل) اور امام شافعیؒ کے مقلدین میں سے بھی کسی نے دور فاروقی کی بیس رکعت تراویح کا انکار نہ فرمایا بلکہ بیس رکعت تراویح کو بالاتفاق سنت مانا۔ چنانچہ امام نوویؒ کتاب الاذکار ص۸۱ میں فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح کے سنت ہونے پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے، مرسل معتضد کا حجت ہونا غیر مقلدین میں سے حکیم محمد صادق سیالکوٹی نے صلوٰۃ الرسول اور عبدالرحمن مبارک پوری نے تحقیق الکلام میں تسلیم کر لیا ہے۔ ابن القیم کی زادالمعاد ص۱۰۳ ج ا پر بھی ہے۔ جب اس کا دل اس جواب سے مطمئن نہ ہوا تو ان گیارہ احادیث (جو محکم ہیں اور جن پر مواظبت ساری امت تسلیم کرتی ہے) کے معارضہ میں ایک مضطرب اور ایسی روایت پیش کی جس کے بارے میں اہل سنت والجماعت

محدثین اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ یا تو وہم ہے یا اس پر مواظبت نہیں ہوئی اس لئے بیس کے سنت ہونے پر اس معارضہ کا کوئی اثر نہیں۔

خود ایوب صاحب نے اہلِ فن محدثین علامہ زرقانی، علامہ ابن عبد البر اور امام بیہقی سے نقل کیا ہے کہ پہلے گیارہ کا حکم تھا، پھر بیس کا۔ (ص ۹۷،۹۸) جس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ گیارہ پر مواظبت نہیں ہوئی، اس لئے وہ ہرگز سنت نہیں اور ۲۳ پر مواظبت ہوئی ہے، وہی سنت ہے۔ پوری امت کے مقابلہ میں ایوب صاحب بلا کسی مستند حوالہ کے اپنا وسوسہ یوں بیان کرتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ پہلے بیس ہوں پھر گیارہ، مگر افسوس کہ ایسا ہوا نہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ ان دونوں مبارک زمانوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی حیات تھیں اور یہ حدیث بھی روایت کرتی تھیں کہ جس نے دین میں بدعت جاری کی، وہ بدعت مردود ہے۔ ان کے دل میں سنت کی محبت اور بدعت سے نفرت یقیناً غیر مقلدین کی نسبت ہزاروں گنا زائد تھی لیکن انہوں نے کبھی تہجد والی حدیث کو ان کے خلاف پیش نہ فرمایا۔ غیر مقلدین جواب دیں کہ آخر کیا وجہ تھی؟ یا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اتنی سمجھ ہی نہ تھی کہ اس حدیث کو بیس رکعت کے خلاف پیش کیا جاسکتا ہے یا سنت نبوی کے مٹنے اور بدعت کے جاری ہونے پر انہیں کوئی ملال نہ تھا اور ان میں دینی غیرت غیر مقلدوں جتنی بھی نہ تھی (معاذ اللہ) اور اس دور میں مدینہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی زندہ تھے جو آنحضرت ﷺ سے اپنے کانوں سے یہ حدیث سن چکے تھے کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔ مگر ان کے سامنے رمضان کے مقدس مہینے میں مسجد نبوی ﷺ میں کھلم کھلا سنت نبوی ﷺ کی مخالفت شروع ہوگئی، بدعت جاری ہوگئی مگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کوئی حدیث ان کے سامنے پیش نہ کی۔

دور مرتضوی رضی اللہ عنہ:

دور فاروقی کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں، بیس رکعت پر تمام مہاجرین و انصار نے مواظبت فرمائی، اس کے خلاف گیارہ کی روایت کو وہم قرار دیا گیا اور پوری امت

کا اجماع ہے کہ مواظبت تو اس پر یقیناً نہیں ہوئی۔ دورِ عثمانی میں بھی بیس رکعت تراویح پر ہی مواظبت ہوئی کسی مسلمہ محدث، کسی فقیہ اور کسی مؤرخ سے اس کا انکار ثابت نہیں اور آٹھ رکعت کا اس دور میں وہمی سند سے بھی کوئی نشان نہ ملا، نہ کتب حدیث میں، نہ کتب فقہ میں، نہ کسی مستند تاریخ میں، یہاں غیر مقلدین بھی "صم بکم" ہو گئے ہیں۔

۱۳ عن أبی عبد الرحمن السلمی عن علی قال دعا القراء فی رمضان فأمر منهم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعة وکان علی یوترهم۔ (بیہقی ص۴۹۶ رج ۲)

ترجمہ: ابوعبدالرحمن سلمیؒ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھایا کرے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خود انہیں وتر پڑھاتے تھے۔

۱۴ عن أبی الحسناء أن علیا أمر رجلا یصلی بهم فی رمضان عشرین رکعة۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۹۳ رج ۲)

ترجمہ: ابوالحسناء سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھائے۔

۱۵ عن أبی الحسناء أن علی بن أبی طالب أمر رجلا أن یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعة۔ (بیہقی ص۴۹۷ رج ۲)

ترجمہ: ابوالحسناء سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت تراویح پڑھایا کرے۔

۱۶ حدثنی زید بن علی عن أبیه عن جده عن علی رضی اللہ عنہ أنه أمر الذی یصلی بالناس صلاة القیام فی شهر رمضان أن یصلی بهم عشرین رکعة یسلم فی کل رکعتین و یراوح ما بین کل اربع رکعات فیرجع ذو الحاجة و یتوضأ الرجل و أن یوتر بهم من آخر اللیل حین الانصراف۔ (مسند الامام زید ص۱۳۹)

ترجمہ: امام زیدؒ اپنے والد امام زین العابدینؒ سے اور وہ اپنے والد حضرت امام

حسین رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس امام کو رمضان میں تراویح پڑھانے کا حکم دیا اسے فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے، ہر دو رکعت پر سلام پھیرے، ہر چار رکعت کے بعد اتنا آرام کا وقفہ دے کہ حاجت والا فارغ ہو کر وضو کر لے اور سب سے آخر میں وتر پڑھائے۔

ان چاروں روایات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اور کتنے ہی اختلافات ہوئے ہوں مگر تراویح میں قطعاً کوئی اختلاف نہ تھا۔ سب نے بیس رکعت تراویح پر مواظبت فرمائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود یہ حدیث روایت فرماتے تھے کہ حرم میں بدعت ایجاد کرنے والے کے نہ فرض قبول ہیں نہ نفل۔ (بخاری ص۱۰۸۴ رج ۲) آپ کو بدعت سے اتنی نفرت تھی کہ ایک مؤذن کو دیکھا کہ اذان کے بعد تثـــو یـــب کر رہا ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔ (البحر الرائق ص۲۶۱ رج ۱) ایک شخص کو عید گاہ میں نماز سے قبل نفل پڑھتے دیکھا تو اسے منع فرمایا۔ اس نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نماز پر مجھے سزا دیں گے؟ فرمایا عید سے پہلے نوافل کا ثبوت نہیں، اس لئے یہ عبث ہے، حرام ہے، مخالفت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اس پر اللہ تعالیٰ تجھے سزا دے گا۔ (کذا فی الجنۃ ص۱۶۵) جو حضرت علی رضی اللہ عنہ دو نفل کی بدعت تو برداشت نہیں کر سکتے، وہ خود بلا ثبوت بارہ زائد رکعات کا حکم کیسے دے سکتے ہیں؟ کسی مسلمہ محدث، فقیہ یا مؤرخ نے دور مرتضوی میں بیس رکعت تراویح کی مواظبت پر انکار نہیں فرمایا اور نہ ہی اس پورے دور میں کسی واہی یا ضعیف ترین سند سے آٹھ رکعت تراویح کا نشان ملا، نہ کتب حدیث میں، نہ کتب فقہ میں اور نہ کتب تاریخ میں۔ غیر مقلدین کی پوری جماعت یہاں کشتی ڈبو کے بیٹھی ہے۔ امام بیہقیؒ نے اثر علی رضی اللہ عنہ کو اثر شتیر بن شکل کی قوت کے لئے روایت کیا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ ص۲۲۴ رج ۲ پر اس سے استدلال کیا ہے اور علامہ ذہبیؒ جیسے ناقد فن نے اس پر المنتقی ص۵۴۲ میں سکوت فرمایا ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں، اکثر اہل علم کا قول ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ

رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیس رکعات پڑھنی چاہئیں اور یہی قول امام سفیان ثوریؒ، ابن مبارکؒ اور امام شافعیؒ کا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں اسی طرح پایا ہے کہ سب لوگ بیس رکعات پڑھتے ہیں (ص ۱۳۹ ارج ا) ایوب صابر کو اس دور میں آنکھ تراویح کے بارے میں ہر طرف اندھیرا نظر آیا تو مارے حسد کے ان روایات کے انکار پر اتر آیا۔ یہ تو اس کی جماعت کی پرانی عادت ہے۔ کبھی تو یہ شور مچایا کہ ابوالحسناء غیر معروف ہے حالانکہ اسے معلوم ہے کہ احناف کے ہاں تو خیر القرون کی جہالت و تدلیس و ارسال جرح ہی نہیں اور شوافع کے ہاں متابعت سے یہ جرح ختم ہو گئی، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیس رکعت تراویح روایت کرنے میں ابوالحسناء اکیلے نہیں بلکہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور امام عبد الرحمن سلمیؒ بھی یہی روایت کرتے ہیں۔ حماد بن شعیب کی صرف وہ روایت ضعیف ہے جس میں اس کا نہ کوئی متابع ہو اور نہ ہی کوئی شاہد ہو، یہاں تین سندیں اس کے شواہد میں ہیں اور محدثین کے نزدیک تعدد طرق سے ایسے ضعف بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔ عطاء بن سائب پر آخر عمر میں خلطِ حفظ کی جرح کی ہے جو شواہد و متابعات سے بالکل ختم ہو جاتی ہے، اس لئے ایک بھی جرح مؤثر نہیں۔ تمام جروح مردود ہیں۔ الحاصل خلافتِ راشدہ میں بلانکیر بیس رکعت تراویح پر عمل جاری رہا اور قرآن پاک میں ہے کہ دور خلافت میں وہ دین مضبوطی سے پھیلے گا جس سے خدا راضی ہے۔ (سورۃ النور)

دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ کا تعامل:

۱۷۔ امام حسن بصریؒ عبد العزیز بن رفیعؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں رمضان میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ رج ۲)

۱۸۔ ......عن زید بن وهب قال كان عبد الله بن مسعود ليصلی لنا فی شهر رمضان فينصرف و عليه ليل قال الأعمش كان يصلی عشرين ركعة (قیام اللیل ص ۹۱)

ترجمہ: زید بن وہب سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیں رمضان شریف میں تراویح پڑھاتے تھے۔ امام اعمشؒ فرماتے ہیں کہ بیس تراویح پڑھاتے تھے۔

۱۹۔ ...... عن عطاء قال ادركت الناس وهم يصلون ثلاثاً و عشرين ركعة بالوتر۔ (ابن ابی شیبہ ص۳۹۳ رج ۲) اسنادہ حسن۔

ترجمہ: حضرت عطاء (۱۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو بیس تراویح اور تین وتر ہی پڑھتے پایا ہے۔

۲۰۔ .... أبو حنيفة عن حماد عن ابراهيم أن الناس كانو ا يصلون خمس ترويحات في رمضان۔ (كتاب الآثار ابو يوسف ص ۴۱)

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ امام حمادؒ سے وہ امام ابراہیمؒ تابعی سے روایت کرتے ہیں کہ سب لوگ (صحابہ وتابعین وتبع تابعین) رمضان میں بیس تراویح ہی پڑھایا کرتے تھے۔

فائدہ: ۱۷، ۱۸ امراسیل معتضدہ سے ہیں جو اجماعاً حجت ہیں۔ ۱۹، ۲۰ کی سند بالکل صحیح ہے۔

۲۱۔ .... عن شتير بن شكل وكان من أصحاب على أنه كان يؤمهم في شهر رمضان بعشرين ركعة ويوتر بثلاث۔ (بیہقی ص ۴۹۶ رج ۲) و الجهالة في خير القرون لا يضر۔

ترجمہ: حضرت شتیر بن شکل جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔

۲۲۔ ...... عن أبي البختري أنه كان يصلي خمس ترويحات ويوتر بثلاث (ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ رج ۲)

ترجمہ: ابو البختری (۸۳ھ یہ بھی اصحاب علی رضی اللہ عنہ سے تھے) بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ خلف سے شعبہ راوی ہے و هو لا يروي الا عن ثقة۔ (تہذیب ص ۱۴۹ رج ۳)

۲۳۔ عن أبي الخصيب قال كان يؤمنا سويد بن غفلة في رمضان

فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعة۔ (بیہقی ص۴۹۶ رج ۲)اسنادہ حسن۔ (آثار السنن ص۵۵ رج ۲)

ترجمہ: ابوخصیب سے روایت ہے کہ حضرت سوید بن غفلہؒ (۸۰ھ) ہمیں رمضان شریف میں پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے۔

۲۴۔ عن نافع بن عمر قال کان ابن أبی ملیکة یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعة۔(رواہ ابن ابی شیبة ص ۳۹۳/ ج ۲) واسنادہ صحیح۔ (آثار السنن ص ۵۶/ ج ۲)

ترجمہ: نافع بن عمر سے روایت ہے کہ ابن ابی ملیکہ (۱۱۷ھ) ہمیں بیس رکعات تراویح پڑھایا کرتے تھے۔

۲۵۔ عن سعید عن عبد أن علی بن ربیعه کان یصلی بهم فی رمضان خمس ترویحات ویوتر بثلاث۔ (ابن ابی شیبہ ص۳۹۳ رج ۲)

ترجمہ: سعید بن عبید سے روایت ہے کہ حضرت علی بن ربیعہ (جو کبار تابعین سے تھے) ہمیں رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے۔

۲۶۔ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؒ (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ تہذیب ص ۱۲۸ رج ۶) لوگوں کو پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے۔ (قیام اللیل ص ۱۵۸)

۲۷ حضرت سعید بن ابی الحسن (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد تھے تہذیب ص ۱۶ رج ۴) وہ لوگوں کو پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے۔ (قیام اللیل ص ۱۵۸)

۲۸ عمران العبدی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد، بھی لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے۔ (قیام اللیل ص ۱۵۸)

یہ خیرالقرون کا تعامل ہے۔ پورے خیرالقرون میں بیس رکعت کے خلاف کبھی

کوئی شرکھڑا نہیں کیا گیا اور آپ حیران ہوں گے کہ اس پورے خیر القرون میں صرف آٹھ رکعت تراویح کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔

نوٹ: آنحضرت ﷺ چونکہ تہجد اور وتر کی نماز اکٹھی پڑھا کرتے تھے اس لئے راوی ان سب کو ملا کر کبھی تہجد کے نام سے روایت کر دیتے ہیں اور کبھی وتر کے نام سے، مثلاً عموماً آنحضرت ﷺ آٹھ رکعت تہجد ادا فرماتے اس کے ساتھ تین وتر ملا کر گیارہ ہو جاتیں، کبھی فجر کی سنتوں کو بھی ساتھ ملا کر بیان کر دیتے تو تعداد تیرہ ہو جاتی اور کبھی شروع کے دو نفل تحیۃ الوضو کے بھی راوی ساتھ ملالیتا تو تعداد پندرہ ہو جاتی تو یہ صرف طرز روایت کا اختلاف ہے نہ کہ تعداد کا اختلاف۔ اس سے جیسے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ آنحضرت ﷺ فجر کی سنتیں پندرہ پڑھتے تھے اسی طرح یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ وتر پندرہ پڑھتے تھے غلط ہے۔ وتر ان میں تین ہی تھے اور فجر کی سنتیں دو ہی تھیں۔

اسی طرح اہل مکہ ہر چار رکعت کے بعد خانہ کعبہ شریف کا طواف کر لیتے تھے، اہل مدینہ اس دوران چار نفل پڑھنے لگے تو بیس تراویح میں سولہ نوافل ملا کر روایت کر دیا گیا تو تعداد چھتیس ہوگئی اور چونکہ تین وتر بھی تراویح کے ساتھ ہی پڑھتے تھے، بعض نے ان کو بھی ملا کر روایت کر دیا تو تعداد انتالیس ہوگئی اور بعض نے وتر کے بعد والے نوافل کو بھی شامل روایت کر لیا تو تعداد اکتالیس بیان کر دی۔ ہاں بعض لوگ چار یا آٹھ نفل ملاتے تو چھ یا سات تر ویحے راوی بیان کر دیتا الغرض یہ تعداد تراویح کی سنت مقدار کا بیان نہیں بلکہ باقی نوافل وغیرہ ساتھ ملا کر روایت کر دی گئیں ہیں۔ صحابہ ﷺ کی بلا نکیر مواظبت چونکہ بیس رکعت پر ہی ہے اس لئے سنت اس کو ہی کہا جائے گا، باقی کوئی جتنے نفل چاہے پڑھے، کبھی اس کے خلاف احناف نے نہ رسالہ شائع کیا، نہ اشتہار، نہ چیلنج نہ رمضان کے مقدس مہینہ میں زائد عبادت کرنے والوں کے خلاف کوئی شرکھڑا کیا بلکہ ان لوگوں کی حوصلہ افزائی اور تعریف کرتے ہیں۔

ائمہ اربعہؒ:

نبی پاک ﷺ کی پاک سنتوں اور خلفائے راشدین کے مقدس طریقوں کی حفاظت وتدوین جس جامعیت اور تفصیل کے ساتھ ائمہ اربعہؒ نے فرمائی ہے یہ مقام امت میں کسی اور کو نصیب نہیں ہوا، اسی لئے پوری امت ان ہی کی رہنمائی میں پاک سنتوں پر عمل کر رہی ہے، ان میں سے کسی امام کی فقہ کے کسی متن میں آٹھ رکعت تراویح کو سنت اور بیس کو بدعت نہیں لکھا گیا۔ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ بیس کے قائل تھے اور امام مالکؒ بیس تراویح، سولہ نوافل ۳۶ کے قائل تھے۔ (بداية المجتهد ص۱۵۲ / ج۱)

اجماع امت:

حضرت فاروق اعظم ؓ کے زمانے میں بیس رکعت تراویح باجماعت پر اجماع ہوا حضرت ملا علی قاریؒ کی فرماتے ہیں:

(۱)............اجمع الصحابة على أن التراويح عشرون ركعة (مرقات ص۱۹۴، ج۳)

(۲)............وبالا جماع الذى وقع فى زمن عمر اخذ أبو حنيفة و النووى و الشافعى وأحمد و الجمهور واختاره ابن عبد البر۔ (اتحاف سادة المتقين ص۴۲۲، ج۳)

(۳)............وثبت اهتمام الصحابة على عشرين فى عهد عمر و عثمان وعلى فمن بعدهم۔ (حاشیہ شرح وقایہ مولانا عبدالحئی لکھنوی)

(۴)............ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں، صحابہ ؓ نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں (انارۃ المصابیح ص۱۸)

(۵)............ابن عبدالبر فرماتے ہیں: وهو الصحيح عن أبى بن كعب من غير خلاف من الصحابة۔ (عمدۃ القاری ص۲۶۷، ج۵)

(۶) ...... علامہ قاضی خان فرماتے ہیں: وهو المشهور من الصحابة و التابعين۔ (فتاویٰ قاضی خان ص ۱۱۰)

(۷۔۱۳) ...... ابن قدامہ مغنی ص ۸۰۳ ج ۱ میں، شمس الدین شرح مقنع ص ۸۵۲، ج ۱ میں، علامہ قسطلانی شرح بخاری میں، مولانا محمد زکریا صاحب اوجز المسالک ص ۳۹۰ میں، علامہ عبدالحئی لکھنوی تعلیق الممجد ص ۵۳ میں، ملاعلی قاری شرح نقایہ ص ۱۰۴ میں، نواب صدیق حسن غیر مقلد عون الباری ص ۳۰۷ ج ۲ میں اس اجماع کو نقل فرماتے ہیں۔

(۱۴، ۱۵) ...... امام نووی باتفاق المسلمين کے لفظ سے اور ابن تیمیہ فلما جمعهم عمر على أبي بن كعب سے اس اجماع کا ذکر فرماتے ہیں (کتاب الاذکار ص ۸۳، فتاویٰ ص ۴۰۱ ج ۴)

(۱۶، ۱۷) ...... علامہ طحطاوی ص ۴۶۸ ج ۱، علامہ شرنبلالی مراقی الفلاح ص ۸۱ پر لفظ متوارث سے اجماع بیان کرتے ہیں۔

(۱۸۔۲۶) ...... علامہ ابن الہمام فتح القدیر ص ۳۰۷ ج ۱، علامہ انور شاہ العرف الشذی ص ۲۳۰، علامہ ابن نجیم البحر الرائق ص ۶۶ ج ۲، شیخ عبدالحق محدث دہلوی ما ثبت بالسنہ ص ۲۱۷، علامہ شامی رد المحتار ص ۵۱۱ ج ۱، علامہ کاسانی البدائع والصنائع ص ۲۸۸ ج ۱، علامہ سبکی المصابیح ص ۱۶، علامہ سیوطی المصابیح ص ۱۶، علامہ حلبی شرح منیہ ص ۳۸۸ پر ثم استقر الأمر على هذا وغیرہ الفاظ سے اس اجماع کا ذکر فرماتے ہیں اور کسی اہل فن نے اس کا انکار نہیں کیا۔ ایوب صابر صاحب تمام غیر مقلدین کو ساتھ ملا کر بلکہ غیر مقلدیت کی ترقی یافتہ اقسام نیچریوں، قادیانیوں، چکڑالویوں اور اپنے محسنین برطانیہ کو ساتھ ملا کر کسی ایک حدیث کی کتاب یا متن فقہ کی مسلمہ کتاب یا مسلمہ تاریخ اسلام سے دکھا دیں کہ عہد فاروقی میں بیس رکعت تراویح پر اجماع نہیں ہوا یا اس اجماع پر عمل جاری نہیں رہا بلکہ عہد فاروقی میں اجماع صرف آٹھ رکعت پر ہوا اور ان آٹھ رکعت پر ہی امت کا تعامل و توارث بلا نکیر جاری رہا تو ہم انہیں اس محنت کے صلہ میں ایک دو ضب ناشتہ کے لئے پیش کر دیں

گے۔جس طرح اہلِ فن نے کہا ہے کہ کس فاعل مرفوع اور کسی اہل فن نے اس کا انکار نہیں کیا تو تمام لوگ اس کو فن کا اجماعی مسئلہ مانتے ہیں، اگر کوئی نا اہل اس کو نہ مانے تو اس سے اجماع پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور یہ تو ایوب صابر صاحب بھی جانتے ہیں کہ قرآن پاک میں سبیل مومنین سے کٹنے والے کو اور حدیث میں اجماع اور سواد اعظم سے ہٹنے والے کو دوزخی کہا گیا ہے۔اسی بنا پر علامہ انور شاہؒ فرماتے ہیں: واما من اکتفی بالر کعات الثمانية وشذ عن السواد الأعظم وجعل يرميهم بالبدعة فلير عاقبته۔ (فیض الباری ص ۱۸۱ رج ۳) یعنی جو آٹھ رکعات پر اکتفا کر کے سواد اعظم سے کٹ گیا اور سواد اعظم کو بدعتی کہتا ہے وہ اپنا انجام سوچ لے، اور مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعت پڑھنے والا سنت مؤکدہ کا تارک ہے۔(حاشیہ ہدایہ ص ۱۵۱ رج ۱)

مثال:

جس طرح ظہر سے پہلے چار رکعت سنت مؤکدہ ہے اگر ان چار کے ساتھ کوئی شخص نفل ملالے تو کوئی ملامت نہیں مگر چار رکعت سنت کی بجائے دو رکعت سنت پڑھنے والا یقیناً تارک سنت ہے اور قابل ملامت ہے۔

ضروری تنبیہ:

اہلِ سنت والجماعت بالترتیب چار دلیلوں کو مانتے ہیں، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع امت، قیاس شرعی، اصول حدیث، اصول فقہ یا اسماء الرجال کی کوئی کتاب خدا اور رسول ﷺ کی لکھی ہوئی نہیں۔اس لئے یہ اصول یا اجماعی ہوں گے یا اختلافی۔ہم اجماعی اصولوں کو دلیل اجماع سے مانتے ہیں اور اختلافی اصولوں میں اصول احناف کے پابند ہیں، جس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے وہ لازم العمل ہے، اس کی سند پر بحث کی ضرورت نہیں، یہ اصول اجماعی ہے، مرسل معتضد حجت ہے، یہ اصول اجماعی ہے، جس مسئلہ پر اجماع ہوا ہے اسے اسنادی بحثوں سے مختلف فیہ بنانا بھی اجماعی اصول

سے انحراف ہے۔ ہاں خیرالقرون میں ارسال، جہالت، تدلیس کا مسئلہ اختلافی ہے، احناف اس کو جرح نہیں سمجھتے، ان کو شوافع کے اختلافی اصول ماننے پر مجبور کرنا بھی خرق اجماع ہے، غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ ہم صرف قرآن و حدیث مانتے ہیں، اس لئے وہ بتائیں کہ ان کو تو اجماعی اصول کے استعمال کا بھی حق نہیں چہ جائیکہ اختلافی اصول استعمال کریں، وہ بھی ان کے خلاف جو ان کو مانتے ہی نہیں، اجماع امت کے خلاف غیر مقلدین جو بیس رکعت کو بدعت اور آٹھ رکعت کو سنت کہتے ہیں، ان کی اصل دلیل جس کو بنیادی سمجھتے ہیں، حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے۔

غیر مقلدین کے مستدل کے جوابات:

(۱) لیکن اس سے استدلال کی بنیاد نماز تہجد اور نماز تراویح کا ایک ہونا ہے جس کا ثبوت نہ قرآن میں ہے، نہ حدیث میں، نہ اجماع میں۔

(۲) امت کے تمام محدثین نے اپنی احادیث کی کتابوں میں تہجد اور تراویح کے الگ الگ ابواب قائم کئے ہیں۔

(۳) امت کے تمام فقہاء نے خواہ وہ حنفی ہوں یا شافعی، مالکی ہوں یا حنبلی کتب فقہ میں تراویح و تہجد کے ابواب الگ الگ باندھے ہیں۔ گویا محدثین وفقہاء کا یہ قطعی اجماعی مسئلہ ہے۔

(۴،۱۵) امام مسلم، امام مالک، امام عبدالرزاق، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابوعوانہ، امام ابن خزیمہ، امام مروزی، امام دارمی، صاحب بلوغ المرام، صاحب مشکوۃ سب اس حدیث کو اپنی کتابوں میں لائے ہیں مگر باب تراویح میں نہیں لائے۔

(۱۶) یہ تمام محدثین اس حدیث کو امام مالکؒ کی سند سے لائے ہیں، امام مالکؒ نے کبھی اس سے تراویح پر استدلال نہیں فرمایا کیونکہ وہ تو مع النوافل ۳۶ رکعات کے قائل و فاعل ہیں۔

(۱۷)...... امام محمدؒ، امام بخاریؒ اور امام بیہقیؒ اس کو قیام رمضان میں لائے ہیں مگر یہ حضرات بھی تراویح اور تہجد کو ایک نہیں مانتے کیونکہ ان حضرات نے بھی تہجد کا باب تراویح سے الگ باندھا ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ قیام رمضان میں تراویح اور تہجد دونوں پڑھنی چاہئیں۔ چنانچہ امام بخاریؒ تراویح اور تہجد دونوں پڑھا کرتے تھے (تاریخ بغداد)۔

(۱۸)...... فتاویٰ علمائے حدیث میں ہے: نماز تہجد تو سارے سال میں ہوتی ہے اور تراویح خاص رمضان میں ہے (ص ۳۳۰ ج ۶)۔ اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں سارے سال والی نماز کا ہی ذکر ہے جو تہجد ہے۔

(۱۹)...... فتاویٰ علمائے حدیث میں ہے: نماز تراویح میں جماعت شرط ہے اگر اکیلے اکیلے پڑھیں تو وہ تراویح نہ ہوگی۔ (ص ۲۴۳ ج ۶) اس حدیث میں وہی نماز ہے جو آپ ﷺ نے اکیلے پڑھی۔

(۲۰)...........اس حدیث کو خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عہد فاروقی، عہد عثانی، عہد علوی میں کبھی بھی بیس رکعت والوں کے خلاف پیش نہ فرمایا۔ ہم نے لکھا تھا کہ کوئی ثابت کرے تو دس ہزار روپیہ انعام دیں گے، ہے کوئی زندہ دل غیر مقلد؟ مگر جواب میں سب مردہ بن گئے۔

(۲۱)...... آنحضرت ﷺ کی تہجد کی نماز والی احادیث بہت سے صحابہ ؓ سے مروی ہیں، کسی ایک صحابی نے بھی تہجد والی روایت کو بیس رکعت تراویح والوں کے خلاف پیش نہ کیا۔

(۲۲) صحابہ ؓ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی سب لوگ بیس تراویح اور بعض نوافل ملا کر ۳۶ پڑھتے رہے، کسی تابعی، تبع تابعی نے اس تہجد والی حدیث کو ان کے خلاف پیش نہ کیا۔

(۲۳) تمام صحابہ ؓ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ اور اجماع امت کے خلاف غیر مقلدین کا سہارا ایک شاذ علمی قول ہے کہ زیلعی، ابن ہمام وغیرہ چند افراد نے حدیث

عائشہ رضی اللہ عنہا کو حدیث ابن عباس ﷺ کے معارض قرار دیا ہے، ان کی علمی بات کا خلاصہ یہی ہے کہ حدیث ابن عباس سنداً ضعیف ہے مگر تمام امت کا اجماعی تعامل بیس پر ہے اور حدیث عائشہ اگر چہ سنداً صحیح ہے مگر عملی طور پر تراویح کے باب میں اجماعاً متروک العمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سب حضرات ہمیشہ بیس رکعت ہی پڑھتے رہے انہوں نے کبھی بھی بیس کو بدعت نہیں فرمایا۔ ان کی شاذ ومتروک العمل رائے کو پیش کرنا اور اجماعی اور معمول بہ مسئلہ کو چھوڑ دینا، یہ نہایت قبیح علمی خیانت ہے۔

(۲۴) پھر ہم پوچھتے ہیں کہ آپ تو صرف قرآن وحدیث کا نام لیا کرتے ہیں، صحابہ ﷺ، تابعین کی بات ماننے کو تیار نہیں، ائمہ اربعہ تک کو اربابا من دون اللہ میں شامل فرماتے ہیں۔ یہ لوگ بوجہ مقلد ہونے کے آپ کے نزدیک مشرک بھی ہیں، جاہل بھی، اندھے بھی، ان کے اقوال کو کیوں پیش کیا؟ اگر یہ کہو کہ ہم نے محض الزامی طور پر پیش کیا ہے تو آپ نے مان لیا کہ اس کی کوئی تحقیقی دلیل آپ کے پاس نہیں ہے۔ ہاں الزام بھی درست نہیں کیونکہ الزام مُسلّماتِ خصم پر مبنی ہوتا ہے۔ ہمارا مذہب متفقہ طور پر متون میں صرف بیس رکعت تراویح سنت ہے، یہ شاذ قول ایسا ہی ہے جیسے متواتر قرآن کے خلاف شاذ قرأتیں اور سنت متواترہ کے خلاف شاذ ومتروک روایات۔ اس لئے ہمارا اصول یہی ہے وان الحکم و الفتیا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع۔ قاضی کا حکم کرنا یا مفتی کا فتویٰ دینا مرجوح قول پر جہالت اور اجماع کا پھاڑنا ہے یعنی باطل اور حرام ہے۔ (درمختار ص۳۱ ج۱)

(۲۵، ۳۰) خود غیر مقلدین کا بھی اس حدیث پر عمل نہیں۔ یہاں غیر رمضان کا لفظ ہے وہ غیر رمضان میں تراویح نہیں پڑھتے، یہاں چار چار رکعت کا ذکر ہے، وہ دو دو پڑھتے ہیں، یہاں گھر میں نماز کا ذکر ہے وہ مسجد میں پڑھتے ہیں، یہاں تین وتر کا ذکر ہے وہ ایک پڑھتے ہیں، یہاں بلا جماعت نماز کا ذکر ہے وہ باجماعت پڑھتے ہیں، یہاں وتر سے پہلے سونے کا ذکر ہے وہ وتر سے پہلے نہیں سوتے۔ امید ہے کہ ان تیس نمبروں کا جواب قرآن و

حدیث سے دیا جائے گا۔

حدیث جابر رضی اللہ عنہ کے جوابات:

دوسری روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی پیش کرتے ہیں۔ یہاں انہیں تین باتیں ثابت کرنا تھیں، ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح ہے، دوسری یہ کہ اس میں آٹھ رکعت پر مواظبت ثابت ہے، تیسری یہ کہ جب دور فاروقی وعثانی وعلوی میں بیس رکعت تراویح باجماعت علی الاعلان مسجد نبوی ﷺ میں پڑھی جاتی تھیں تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو ان کے خلاف پیش کیا تھا اور اپنی مسجد آٹھ تراویح کے لئے کوئی الگ بنائی تھی، مگر ایوب صاحب اور ساری کمپنی اس میں بالکل ناکام رہی ہے۔

۱......... اس کا ایک راوی یعقوب بن عبداللہ القمی ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ ایک روایت کے بعد لکھتے ہیں: وهذا الحديث منكر جدا وفي اسناده ضعيف ويعقوب هذا هو القمي و فيه تشيع ومثل هذا لا يقبل تفرد به۔ (البدایہ والنھایہ ص۲۷۵ ج۸) یہ حدیث سخت منکر ہے اس کی سند ضعیف اور یعقوب قمی شیعہ ہے، ایسے مسائل میں اس کا تفرد مقبول نہیں۔ الغرض جہاں عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم یا مسلک صحابہ رضی اللہ عنہم مجروح ہوتا ہو وہاں ایسے راوی کا تفرد قبول نہیں اور اس تراویح والی روایت میں بھی یہ منفرد ہے اور اس کی روایت اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہے۔

۲......... دوسرا راوی عیسیٰ بن جاریہ ہے۔ امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں اس کے پاس منکر روایات ہوتی تھیں امام نسائی اس کو منکر الحدیث اور متروک فرماتے ہیں۔ امام ابوزرعہؒ لا باس بہ فرماتے ہیں۔ (میزان الاعتدال ص۳۱۱ ج۲)

خود ایوب صابر نے بھی مانا ہے کہ یہ روایت بنیاد نہیں بطور شاہد ہے۔ اب شاہد کے لئے پہلے بنیاد تو بتاؤ، پھر ایسی روایت جب اجماع کے خلاف ہو تو اس کے منکر ہونے میں کیا شبہ؟ خود یہ بھی کسی حدیث وفقہ میں ثابت نہیں کہ یہ دونوں راوی ساری امت کے خلاف اپنی الگ مسجد بنا کر آٹھ تراویح پڑھا کرتے تھے۔

۳ ...... پھر اس میں مواظبت تو کیا ثابت ہوتی بعض کتابوں میں لیلۃ صرف ایک رات کی صراحت ہے جو مواظبت کی تردید ہے۔ اجماع امت کے خلاف وقتی فعل کو سنت کہنا غلط ہے۔

ابیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت کے جوابات:

تیسری روایت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ والی پیش کرتے ہیں۔ یہاں بھی تین باتیں ثابت کرنا ضروری تھا، ایک یہ کہ یہ روایت صحیح ہے، دوسرے یہ کہ اس میں آنحضرت ﷺ کی آٹھ پر از خود مواظبت ثابت ہے، تیسرے یہ کہ جب دور فاروقی و عثمانی میں لوگ برملا بیس رکعت پڑھتے تھے تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ روایت ان کے خلاف پیش کی تھی اور نہ ماننے کی صورت میں یہ الگ ہو کر صرف آٹھ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے، مگر یہ اس میں بالکل ناکام رہے ہیں۔

(۲،۱) ...... یہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں وہی یعقوب اور عیسیٰ ہیں۔

(۳) ...... اس کی سند میں محمد بن حمید رازی ہے جس کو خود ایوب صابر بھی ثقہ نہیں مانتا، اس سے جان چھڑانے کے لئے بہت بڑا دھوکہ دیا ہے کہ محمد بن حمید کاتب کی غلطی ہے، مگر اس پر بارہ (۱۲) صدیوں میں سے کسی محدث کا حوالہ موجود نہیں۔ پھر یہ لکھا ہے کہ میزان الاعتدال اور طبرانی میں اس کی سند میں جعفر بن حمید ہے، حالانکہ یہ محض جھوٹ ہے۔ جعفر بن حمید پچھلی روایت جابر رضی اللہ عنہ والی کا راوی ہے جس میں حضور ﷺ کی اپنی نماز کا ذکر ہے۔ یہ حدیث وہ ہے جس میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے عورتوں کو نماز پڑھانے کا ذکر ہے۔

(۴) ...... اس میں یہ بھی ثابت نہیں کہ یہ ضرور رمضان کا واقعہ ہے کیونکہ مسند احمد اور طبرانی میں رمضان کا ذکر ہی نہیں۔ ابو یعلیٰ میں یعنی رمضان ہے جو فہم راوی ہے نہ کہ روایت راوی اور قیام اللیل میں رمضان کا لفظ ہے۔

(۵) ...... اس میں مواظبت کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ مواظبت کے خلاف یہ جملہ ہے انـــہ کانت منی اللیلۃ شیئی آج رات ایک عجیب بات ہوگئی۔

(۶) ...... پھر دور فاروقی میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ خود بیس رکعت پڑھاتے رہے۔

(۷)..........پھر یہ روایت اجماعاً متروک العمل ہے وید اللہ علی الجماعۃ وقال من شذ شذ فی النار۔ الغرض آٹھ رکعت پر نہ مواظبت نبوی ثابت ہے نہ مواظبت صحابہ رضی اللہ عنہم بلکہ یہ مواظبت اور اجماع کے خلاف ہے۔

غیر مقلدین اور مخالفت نبی ﷺ:

غیر مقلدین مندرجہ ذیل امور میں حضور ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں:

۱..........آج کل غیر مقلدین چاند رات سے نماز تراویح کی جماعت شروع کرتے ہیں حالانکہ آنحضرت ﷺ نے ساری زندگی میں ایک بار بھی چاند رات سے یہ جماعت شروع نہیں کرائی، یہ سنت نبوی ﷺ نہیں بلکہ سنت خلفاء راشدین ہے۔

۲..........آج کل غیر مقلدین پورا ماہ رمضان نماز تراویح باجماعت ادا کرتے ہیں حالانکہ آنحضرت ﷺ نے مسجد میں آئے ہوئے لوگوں کو فرمایا تھا اپنے گھر نماز پڑھو، یہ سارا مہینہ جماعت تراویح سنت نبوی نہیں بلکہ سنت خلفاء راشدین ہے۔

۳..........آج کل غیر مقلدین ہر سال رمضان میں تراویح باجماعت ادا کرتے ہیں جبکہ آنحضرت ﷺ نے صرف ایک سال آخری عشرہ میں تین دن جماعت کروائی تھی، یہ بھی سنت نبوی ﷺ ہرگز نہیں ہے بلکہ سنت خلفاء راشدین ہے۔

۴..........آج کل غیر مقلدین پورا مہینہ رمضان میں عشاء کے فوراً بعد نماز تراویح پڑھتے ہیں حالانکہ یہ سنت نبوی ہرگز نہیں ہم تو اسے سنت خلفاء راشدین کہتے ہیں مگر مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالقادر حصاروی فرماتے ہیں: بہر حال نماز عشاء کے بعد تراویح جماعت کے ساتھ ہمیشہ ادا کرنا جیسا کہ عام طور پر مروج ہے نہ تعامل نبوی سے ثابت ہے نہ تعامل خلفائے اربعہ سے اس لئے یہ سنت نہیں، جائز ہے۔ (صحیفہ اہل حدیث کراچی یکم رمضان ۱۳۹۲ھ)

۵..........آج کل غیر مقلدین سارا مہینہ مسجد میں نماز تراویح پڑھتے ہیں حالانکہ یہ سنت نبوی ہرگز نہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالقادر حصاروی تحریر فرماتے ہیں: مسجد میں جماعت سے عشاء کے بعد ہمیشہ نماز تراویح پڑھنا بدعت حسنہ ہے، سنت مؤکدہ نہیں بلکہ سنت نبوی اور

سنت خلفاء اربعہ بھی نہیں ہے۔ (حوالہ مذکور) نیز فرماتے ہیں: گھر میں تراویح پڑھنے کے یہ فضائل ہیں: فرضوں کے برابر ثواب ملنا، ہزار نماز سے زیادہ ثواب ملنا، گھر میں نورانیت پیدا ہونا، گھر میں خیر و برکت نازل ہونا، یہ عمل خدا اور رسول کو محبوب ہونا وغیرہ۔ (ایضاً)

نوٹ: حصاروی صاحب فرماتے ہیں: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے بدعت کی دو قسمیں ثابت ہوئیں، ایک حسنہ، دوسری سیئہ، حسنہ وہ ہے جس کا ثبوت شارع سے ہو مگر اس کی ہیئت کذائیہ کا ثبوت نہ ہو اور سیئہ وہ ہے جس کا ثبوت ہی شارع سے نہ ہو یا ثبوت ہو مگر صحابہ کرام نے اس ہیئت کذائیہ پر تعامل نہ رکھا ہو، ایسی بدعت سے بالدوام بچنا چاہئے۔ (ایضاً)

۶　آج کل غیر مقلدین نماز تراویح باجماعت میں قرآن پاک ختم کرتے ہیں حالانکہ نماز تراویح میں قرآن پاک کا ختم ہرگز سنت نبوی نہیں ہے بلکہ سنت صحابہ ہے، البتہ اوکاڑہ کے غیر مقلدین نے ایک اشتہار میں اب ختم قرآن کو بدعت لکھ دیا ہے۔

۷　آج کل غیر مقلدین تراویح میں ختم قرآن کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ مولانا حصاروی لکھتے ہیں: کسی قرآن خوان کو امام بنا کر گھر میں جماعت کرالیا کریں۔ اس طرح ختم قرآن اور جماعت کا ثواب بھی حاصل ہو جائے گا یا سورۃ قل ھو اللہ ہر رکعت میں تین بار پڑھ لیا کریں۔ (ملخصاً ایضاً)

۸　آج کل غیر مقلدین نماز تراویح کے بعد سو جاتے ہیں حالانکہ یہ سنت نبوی نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ شروع ہوتا، آپ ﷺ کمر کس لیتے اور پورا مہینہ رات کو نہ سوتے۔ (عزیزی ص ۱۲۷ / ج ۲ بحوالہ شعب الایمان بیہقی) ہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سو جانا ثابت ہے۔ عہد فاروقی میں و التی تنامون عنھا الحدیث۔ (بخاری ص ۲۶۹ / ج ۲)

۹　صحیح بخاری شریف ص ۲۶۹ / ج ۲ پر ہے کہ رمضان المبارک کی آخری دس راتوں میں آنحضرت ﷺ اپنی ازواج مطہرات کو بھی بیدار رکھتے تھے جب کہ غیر مقلدین اپنی بیویوں کو بیدار نہیں رکھتے۔

۱۰ ۔۔۔ آج کل غیر مقلدین تراویح میں قرآن پاک اس طرح دیکھ کر پڑھتے ہیں کہ اٹھایا ہوا ہے، ورق گردانی بھی ہو رہی ہے، رکوع کے وقت نیچے زمین پر رکھ دیتے ہیں، اگلی رکعت میں پھر اٹھا لیتے ہیں، یہ طریقہ نماز تراویح میں ہرگز ہرگز سنت نبوی سے ثابت نہیں ہے۔

ایوب صابر نے تحقیق تراویح ص ۸۷ میں امام ابوحنیفہؒ کو ان احبار و رہبان میں شامل فرمایا ہے جو اپنی طرف سے حرام کو حلال، حلال کو حرام کرتے تھے اور احناف کو ان عیسائیوں میں شامل کیا ہے جو اپنے احبار و رہبان کے حلال و حرام کرنے کو خدا اور رسول کے مقابلے میں مانتے تھے۔ ایوب صابر کے شیخ الحدیث صاحب، اساتذہ اور جماعت کو اس پر بہت خوشی ہوگی کہ کتنا بڑا کارنامہ ہے کہ مسلمانوں کے امام اعظم کو ان احبار و رہبان میں شامل کر دیا جو حرام خور، جھوٹے تھے۔ اہل حدیث زندہ باد کے نعرے بھی لگے ہوں گے، سب حنفی عیسائی، اہل حدیث زندہ باد۔ مگر جن لوگوں کی قرآن و حدیث پر نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ بخاری شریف کی حدیث کے موافق یہ خارجیوں کا وطیرہ تھا کہ کافروں والی آیات مسلمانوں پر چسپاں کیا کرتے تھے اور قرآن پاک کے مطابق یہود کا یہ وطیرہ تھا یحرفون الکلم عن مواضعہ وہ کلمات خداوندی کو بے موقع استعمال کرتے تھے۔ ایوب صابر کا استدلال جب درست ہوتا کہ وہ ان احبار و رہبان کا مجتہد ہونا قرآن و حدیث سے ثابت کرتے پھر اس آیت کو مجتہد پر فٹ کرتے اور یہ بھی مانتے کہ یہود کے یہ احبار و رہبان چونکہ مجتہد تھے اس لئے ان کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اجر سے نوازا ہے، صواب پر دو اجر خطاء پر ایک۔ ایوب صابر نے قرآن کی آیت کا غلط استعمال کر کے مرزا قادیانی کی روح کو خوش کیا ہے اور اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔

قرآن وحدیث سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء دو قسم کے تھے، ایک تو خدا پر جھوٹ باندھنے والے یکتبون الکتاب بأیدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللّٰہ جیسا کہ اس کا نقشہ آپ کو آپ کے مذہب کی مستند کتابوں نزل الابرار، بدور الاھلہ، عرف الجادی، ہدیۃ المھدی میں نظر آئے گا۔ ان حضرات نے یہ کتابیں اس دعویٰ کے ساتھ لکھیں

کہ ان کتابوں کے مسائل صرف خدا اور رسول کے مسائل ہیں مگر جس اتفاق اور یقین سے آج تمام غیر مقلدین نے یہ فیصلہ دے دیا ہے کہ ان کتابوں میں خدا رسول پر جھوٹ ہیں، اتنی صفائی سے شاید یہود و نصاریٰ نے بھی اپنے احبار و رہبان کے خلاف بیان نہ دیا ہو۔

یہاں دو شہادتیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی شہادت:

جماعت اہل حدیث اپنے ناقص العلم اور غیر محتاط نام نہاد علماء کی تحریروں اور تقریروں سے دھوکہ نہ کھائے کیونکہ ان میں سے بعض تو پرانے خارجی اور بے علم محض اور بعض پرانے کانگریسی ہیں جو کانگریس کا حق نمک ادا کرنے کے لئے ایک نہایت گہری زمین دوز (UNDER GROUND) تجویز کے تحت انگریز کی پالیسی (DEVIDE AND CONQUER) تفرقہ ڈالو اور فتح کرو سے مسلمانوں کو اختلافی مسائل میں مشغول کر کے باہمی اتفاق میں رکاوٹ اور مسلمانوں میں خصوصاً اہل حدیث میں تعصب پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ (احیاء المیت ص ۳۶)

(۲) علامہ وحید الزمان کی شہادت:

غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہل حدیث کہتے ہیں انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی بھی پرواہ نہیں کرتے نہ سلف صالحین صحابہ اور نہ تابعین کی۔ قرآن کی تفسیر صرف لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں، حدیث شریف میں جو تفسیر آ چکی ہے اس کو بھی نہیں سنتے۔ (حیات وحید الزمان ص ۱۰۲ بحوالہ لغات الحدیث)

نصیحت:

کاش ایوب صابر کے شیخ الحدیث مولانا سلطان محمود جلال پوری اور استاد محمد رفیق جلال پوری اپنے شاگردوں کو مولانا داؤد غزنوی سابق امیر جماعت کی یہ نصیحتیں یاد دلا دیتے۔ مولانا داؤد غزنوی فرماتے ہیں: ''دوسرے لوگوں کو یہ شکایت ہے کہ اہل حدیث

حضرات ائمہ اربعہؒ کی توہین کرتے ہیں، بلاوجہ نہیں ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے حلقہ میں عوام اس گمراہی میں مبتلا ہو رہے ہیں اور ائمہ اربعہ کے اقوال کا تذکرہ حقارت کے ساتھ کر جاتے ہیں، یہ رجحان سخت گمراہ کن اور خطرناک ہے، ہمیں سختی کے ساتھ اس کو روکنے کی کوشش کرنی چاہئے۔'' (داؤد غزنوی ص ۸۹)

بنی اسرائیل میں دوسری قسم کے علماء وہ تھے جن کو قرآن پاک نے ربانی فرمایا ہے اور صحیح بخاری میں ص ۱۶ پر ربانی کا معنی فقیہ لکھا ہے اور قرآن پاک میں حضرت موسیٰ کے ذکر کے بعد فرمایا ہے وجعلنا منهم أئمة يهدون بأمرنا معلوم ہوا ان میں ائمہ اور فقہاء بھی تھے تو امام ابوحنیفہؒ جو امام اور فقیہ ہیں ان کے لئے یہ آیات لکھنی چاہئیں تھیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے کبھی یہ نہ فرمایا کہ میں خدا کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتا ہوں بلکہ فرمایا: القياس مظهر لا مثبت میں خدا رسول کے وہ احکام جو عوام کے ذہن سے پوشیدہ اور چھپے ہوئے ہیں صرف ان کو ظاہر کرتا ہوں، نہ پوشیدہ حکم کی تلاش گناہ ہے، نہ اس ظاہر شدہ حکم پر عمل گناہ ہے۔ ہم بھی ائمہ مجتہدین کو شارع نہیں بلکہ شارح سمجھتے ہیں، وہ واسطہ فی التعمیم اور واسطہ فی البیان ہیں۔ ایوب صابر نے دو مثالیں بھی دی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے شراب (خمر) کو حرام فرمایا، امام ابوحنیفہ نے خمر کو حلال کر دیا، حنفی اب خدا کی بات نہیں مانتے، امام ابوحنیفہ کی بات مانتے ہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ اور تمام احناف کے نزدیک خمر قطعاً حرام ہے اور پیشاب پاخانہ کی طرح نجاست غلیظہ بھی ہے جب کہ غیر مقلدین خمر کو پاک کہتے ہیں۔ ایوب صاحب! جھوٹ اور بہتان منافق کی نشانی ہے نہ کہ اہل حدیث کی۔ دوسری مثال یہ دی کہ رسول اقدس ﷺ سے پوچھا گیا کہ ضب (گوہ) حرام ہے، آپ نے فرمایا نہیں لیکن میں نہیں کھاتا اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا ضب مکروہ ہے۔ یہاں بھی ایوب صاحب اگر صحاح ستہ میں سے صرف ابوداؤد شریف ہی دیکھ لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ بعد میں خود حضور ﷺ نے ضب سے منع فرما دیا تھا۔ اب امام صاحبؒ کا علم کامل ہے کہ دونوں باتیں سامنے ہیں اور آخری حدیث پر فتویٰ ہے اور ایوب کا علم ناقص ہے اور خواہ مخواہ

ائمہ دین کا منہ چڑا رہا ہے۔ مولانا داؤد غزنوی کی یہ نصیحت یاد فرمالیں، انہوں نے مولوی اسحاق کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''مولوی اسحاق! جماعت اہل حدیث کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی روحانی بددعا لے کر بیٹھ گئی ہے، ہر شخص ابوحنیفہ ابوحنیفہ کہہ رہا ہے۔ کوئی بہت ہی عزت کرتا ہے تو امام ابوحنیفہ کہہ دیتا ہے پھر ان کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ۔ اگر کوئی بہت بڑا احسان کرے تو وہ انہیں ستر حدیثوں کا عالم گردانتا ہے، جو لوگ اتنے جلیل القدر امام کے بارے میں یہ نقطۂ نظر رکھتے ہوں ان میں اتحاد و یک جہتی کیونکر پیدا ہو سکتی ہے۔'' (داؤد غزنوی ص ۱۳۷)

آپ کے جن علماء نے ہاتھی، خچر، جنگلی بلے اور ہر سمندری جانور خواہ کتا ہو یا خنزیر، مینڈک ہو یا کچھوا حلال کہا ہے اور گدھ، کوے چمگادڑ کو حلال کہا ہے بلکہ منی تک کا کھانا ایک قول میں حلال کہا ہے۔ اس بارے میں کوئی قطعی نصوص آپ پیش کر سکتے ہیں؟ اگر آپ کو حلت کی نصوص نہ ملیں اور آپ اپنے احبار و رہبان کے خلاف ان کو حرام کہیں تو ان کی حرمت کی نصوص تحریر فرمادیں ورنہ بتائیں کہ ان کہ حلت و حرمت کن احبار و رہبان سے آپ نے لی ہے۔ آپ نے ائمہ اربعہؒ کو احبار و رہبان والی آیت کا مصداق قرار دیا ہے۔ آپ کے بھائی اہل قرآن تمام محدثین، معدلین، اور جارحین کو اس آیت کا مصداق قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے سب اصول بھی قیاسی اور ظنی ہیں۔

آپ نے ابن حجرؒ، زرقانیؒ، زیلعیؒ، ابن ہمامؒ وغیرہ بہت سے علماء کے اقوال لکھے ہیں، آپ ان کو خدا سمجھتے ہیں یا رسول یا ارباباً من دون اللّٰہ۔ آپ نے بہت سے سوال و جواب اپنے قیاسات سے گھڑے ہیں جب کہ آپ کے نزدیک قیاس کار شیطان ہے۔

آپ نے تحقیق تراویح پر قلم اٹھایا:

(۱)............آپ قرآن پاک سے نہ آٹھ رکعت تراویح کا سنت ہونا ثابت کر سکے نہ بیس رکعت تراویح کا منع ہونا۔

(۲)............آپ کسی قولی حدیث سے آٹھ رکعت با جماعت بعد عشاء مسجد میں ختم قرآن

کے ساتھ، اس کا نہ حکم پیش کر سکے نہ قولی حدیث سے بیس کا منع ثابت کر سکے۔

(۳)　　آپ نے جو فعلی حدیث پیش کی نہ اسے صحیح ثابت کر سکے، نہ اس پر مواظبت ثابت کر سکے، ہاں اس حدیث پر عمل سے انکار کر دیا جس کو تلقی بالقبول حاصل تھی۔

(۴)　　خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے نہ آٹھ کی کوئی غیر مضطرب روایت پیش کر سکے نہ مواظبت ثابت کر سکے کہ آٹھ کو سنت خلفاء ہی کہا جاتا ہے ہاں اس کے بالمقابل ان احادیث کے انکار کا گناہ سر پر لیا جن پر امت کا توارث ہے۔

(۵)　　ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی فقہ کے متن سے آٹھ کا سنت اور بیس کا بدعت ہونا ثابت نہ کر سکے، ہاں امام مالکؒ کی طرف بے سند قول اور ابن ہمامؒ کا شاذ قول پیش کیا جو آپ کے اصول پر شرک اور ہمارے اصول پر باطل اور خرق اجماع اور حرام ہے۔ (درمختار)

(۶) بعض اعتیوں کے اقوال وہ بھی شاذ اور غیر متعلق پیش کر کے اپنے مشرک ہونے کا ثبوت دیا۔ بعض باتیں محض بے سند لکھ کر اپنے اصول پر بے دین بنے اور بعض اپنے قیاسات لکھ کر شیطان بنے۔

(۷)　　آپ یہ فرمائیں کہ جو مسائل صراحۃً کتاب و سنت میں نہیں ملتے ہم ان مسائل کو اجتہاد و تقلید میں دائر سمجھتے ہیں کہ مجتہدین اجتہاد کر لیں، غیر مجتہدین تقلید، آپ کے نزدیک اجتہاد کرنا شیطان کا کام ہے اور تقلید کرنا مشرک کا۔ آخر آپ کے عوام کے لئے ایسے مسائل میں عمل کرنے کا کون سا راستہ ہے وہ عوام بے چارے دلیل تفصیلی کو سمجھ تو کیا سکیں اس کی تعریف بھی نہیں کر سکتے۔ آپ کے علما، اجتہاد تو کیا کریں گے، اجتہاد کی جامع مانع تعریف اور اس کی شرائط بھی ہماری کتابوں سے چوری کئے بغیر نہیں بتا سکتے۔ آپ کے عوام اپنے علماء سے ایسے مسائل پوچھیں، بغیر تفصیلی دلیل جانے تو مشرک بنیں، نہ پوچھیں تو ساری عمر جاہل بے عمل رہیں اور جاہل بے عمل ہی مریں۔ بہرحال اس کا جواب آپ کے ذمہ ہے پیچھے جو سوالات گزرے ہیں ان کے جوابات بھی آپ کے ذمہ ہیں جو نہ آپ نے دیئے اور نہ دے سکتے ہیں (انشاء اللہ) میں اپنی اس تحریر کو یہیں ختم کرتا ہوں۔

وما علینا الا البلاغ المبین۔